ماہنامہ
ہمدرد نونہال
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

اشاعت کا ۶۲ واں سال

یادگار : شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید

ماہنامہ
ہمدرد نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

مدیرِ اعلیٰ
سعدیہ راشد

مدیر اعلیٰ
مسعود احمد برکاتی

شمارہ ۱۰

جلد ۶۲

اکتوبر ۲۰۱۴ عیسوی

ذی الحج ۱۴۳۵ ہجری

قیمت عام شمارہ
۳۵ روپے

سالانہ (بذریعہ ڈاک)
۳۸۰ روپے

سالانہ (رجسٹری سے)
۵۰۰ روپے

سالانہ (ممالک غیر ایشیائی)
۳۳۰ روپے

سالانہ (غیر ممالک سے)
۵۰ امریکی ڈالر

ٹیلی فون ـــــــ 36620945 سے 36620949

36616001 سے 36616004

ایکسٹینشن ـــــــ (054 یا 052 یا 056)

فیکس نمبر ـــــــ (92-021) 35611755

ای میل ـــــــ hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ـــــــ www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) ـــــــ www.hamdardlabswaqf.org

ویب سائٹ حکیم محمد سعید ـــــــ www.hakimsaid.info

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

"ڈاک خانے کے نقصان کی وجہ سے ماہنامہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف
بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد، ہمدرد فاؤنڈیشن ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سرورق کا نقش	تحقی احمد نجور

ISSN 0259-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور ان کے خلیل اللہ، پیغمبر تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت اور سچے جذبۂ اطاعت کا اظہار اس طرح فرمایا کہ عرب کے شہر مکہ میں اللہ کے حکم سے ایک گھر تعمیر کیا اور یہ گھر کعبۃ اللہ کہلایا اور جبھی سے سال میں ایک بار ساری دنیا کے مسلمان خانہ کعبہ میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے گھر کا طواف کرتے ہیں۔ اسے ہم حج کہتے ہیں۔ خانہ کعبہ آج دنیا بھر کے مسلمانوں کی عبادت کا مرکز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر اس مسلمان پر حج فرض قرار دیا ہے جو خانہ کعبہ تک جانے کی طاقت اور اس کا خرچ برداشت کرنے کی حیثیت رکھتا ہو۔ چنانچہ ہر سال لاکھوں مسلمان حج کرنے مکہ جاتے ہیں اور وہاں اللہ کے نیک بندوں کا عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے۔

مسلمان اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے سفر کی تکلیفیں اور پریشانیاں بھی برداشت کرتے ہیں اور اپنا مال و دولت بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ عرفات کے میدان میں، منیٰ میں، خانہ کعبہ میں اور مدینہ منورہ میں لاکھوں مسلمان بھائیوں سے ملتے ہیں۔ اللہ کے احکام پر عمل کر کے جو روحانی خوشی نصیب ہوتی ہے اس کا کوئی بدل نہیں۔

حج کے اگلے دن یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عیدالاضحیٰ منائی جاتی ہے۔ یہ عید حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی اللہ کی راہ میں قربانی دینے کی یادگار ہے۔ یہ اس بات کی یاد دلاتی ہے کہ ایک سعادت مند بچے نے اپنے رب اور اپنے والد کے حکم پر سر جھکا دیا اور اطاعت و فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت اسماعیل کی یہ اطاعت بہت پسند آئی۔ لہٰذا اس نے ایک ذبیحہ بھیج دیا، جو حضرت اسماعیل کے بدلے میں قربان ہوا اور پھر قربانی کی اس رسم کو ساری امت مسلمہ کے لیے سنت ابراہیمی بنا دیا۔ مسلمان عیدالاضحیٰ کے دن اسی روایت کو تازہ کرتے ہیں۔

(ہمدرد نونہال مئی ۱۹۹۵ء سے لیا گیا)

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

تازہ ہمدرد نونہال آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ عید قرباں (عید الاضحی) کا دن اس عظیم قربانی کی یاد میں ہر سال منایا جاتا ہے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چہیتے بیٹے کی قربانی سے قائم کی تھی۔ جانوروں کی قربانی اصل میں ایک علامت ہے۔ اللہ کے حکم کے آگے اپنی مرضی اور ارادے کو قربان کر دینے کا نام ہی اسلام ہے۔

اکتوبر میں پاکستان کے دو عظیم زبن محسنوں کو شہید کیا گیا۔ شہید ملت لیاقت علی خاں اور شہید پاکستان حکیم محمد سعید نے اپنی زندگیاں ہمارے پاکستان کو دے دیں۔ ان محسنوں کی یاد میں ہمیں بھی اپنے پیارے ملک کے لیے دل سے کام کرنا چاہیے اور ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہیے جو امن، سکون، محبت اور ہمدردی کی مثال ہو اور پاکستان تعمیر و ترقی کے راستے پر دوڑنے لگے۔

نونہالو! تمھارا ہمدرد نونہال بھی شہید پاکستان نے تمھیں اچھا مسلمان، اچھا انسان اور اچھا پاکستانی بنانے کے لیے جاری کیا تھا اور وہ اس کی ترقی و بہتری کے لیے آخری وقت تک کام کرتے رہے۔ حکیم صاحب نے ۱۹۵۳ء میں ہمدرد نونہال جاری کر کے میرے سپرد کیا تھا۔

اللہ کا شکر ہے کہ میں نے یکسو ہو کر رسالے کو بہتر سے بہتر بنانے میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں اور اب تک بچے نسلوں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اللہ کرے ہمدرد نونہال اسی طرح مصروف خدمت رہے۔

☆

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کرو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مصیبت سے نجات دے دے اور تم کو مبتلا کر دے۔

مرسلہ : شمیم راجا، جھنڈو

حضرت ابوبکر صدیقؓ

دوسروں کی تکلیف کو اپنا سمجھنا حقیقی سخاوت ہے۔

مرسلہ : ساجد ثناء اللہ، کراچی

حضرت عمر فاروقؓ

جب بھی تم کو اپنے رزق میں کمی نظر آنے لگے تو کچھ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا کرو۔

مرسلہ : عائشہ تبسم، نارتھ کراچی

امام غزالیؒ

غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کی برائی کا ذکر اس کے پیٹھ پیچھے کیا جائے۔ مرسلہ: تبسم زہرا، کراچی

خلیل جبران

میں نے بد تمیز لوگوں کو دیکھ کر تمیز سیکھی ہے اور باتونی لوگوں کو دیکھ کر خاموشی سیکھی ہے۔

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، ملیر، لیاری ٹاؤن

خوشحال خان خٹک

مجھے اس انسان کی زندگی پر رشک آتا ہے جو دولت کے بغیر خوش رہتا ہے۔ مرسلہ : روبینہ ناز، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

قلم تمھاری تلوار اور کتاب تمھاری ڈھال ہے۔

مرسلہ : قمر ناز دہلوی، کراچی

افلاطون

جس شخص کی فطرت میں شر ہوتا ہے، وہ لوگوں کی اچھی باتوں کے بجائے برائیوں کو اپناتا ہے۔

مرسلہ : حبیبہ فخر، ملتان

ارسطو

اچھی کتاب، اچھا انسان بناتی ہے۔

مرسلہ : عادل رسول، فیصل آباد

برنارڈ شا

کام یابی بہت سی ناکامیوں میں چھپی ہوتی ہے۔

مرسلہ: سیدہ اریبہ بتول، کراچی

☆☆☆

نعتِ شریف

تسلیم الٰہی زلفی، کینیڈا

کسی روز رستہ بدل جائیں گے ہم
مدینے کی جانب نکل جائیں گے ہم

ستائے ہوئے ہیں، ابھی مضطرب ہیں
مدینے میں جا کر، سنبھل جائیں گے ہم

بُلائیں گے سرکار اک دن ہمیں بھی
نہیں جا سکے آج، کل جائیں گے ہم

کبھی آنکھ جھپکی، جو صحنِ حرم میں
انھیں دیکھنے کو، مچل جائیں گے ہم

کہاں منھ دکھانے کے قابل ہیں زلفیؔ
یہ مانا کہ ہیں بے عمل، جائیں گے ہم

ہمارے ہادیِ برحق کا آخری حج

عبدالواحد سندھی

ہجرت کا دسواں سال تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا۔ ذی قعدہ سنہ ۱۰ ہجری میں اعلان کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ یہ خبر پورے عرب میں پھیل گئی۔ اس بابرکت موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج ادا کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے شوق میں پورا عرب امنڈ آیا۔

ماہِ ذی قعدہ کی آخری تاریخوں میں آپ کی سواری مدینۂ طیبہ سے روانہ ہوئی اور ۴ ذی الحجہ کی صبح کے وقت آپ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ وہاں آنے کے بعد پہلے آپ نے کعبے کا طواف کیا اور پھر آپ نے مقامِ ابراہیم میں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

اس کے بعد آپ صفا کی پہاڑی پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے اُتر کر مروہ کی سعی کی یعنی دوڑ لگائی۔ ان چیزوں سے فراغت کے بعد آپ نے جمعرات کے روز یعنی آٹھویں ذی الحجہ کو تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا۔

دوسرے دن ۹ ذی الحجہ کی صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے اور عرفات کے میدان میں تشریف لائے۔ عرفات کے میدان میں آپ نے وہ مشہور تاریخی خطبۂ حج دیا، جو دنیا کی تاریخ میں "حقوقِ انسانی کا پہلا منشور" ہے۔ اس خطبے میں آپ نے انسانوں کے لیے اہم باتوں کے بارے میں ہدایتیں فرمائیں:

۱۔ لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔

۲۔ لوگو! تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسی ہی

حرام ہیں، جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی، اس مہینے کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمھیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمھارے کاموں کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار، میرے بعد گم راہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

۳۔ لوگو! جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون میرے خاندان کا ہے، یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا خون، جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اُسے مار ڈالا تھا، میں چھوڑتا ہوں۔

جاہلیت کے زمانے کا سود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔

۴۔ لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمے داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ، اچھی طرح پہناؤ۔

۵۔ لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لو گے تو کبھی گم راہ نہ ہو گے۔ وہ قرآن، اللہ کی کتاب ہے۔

۶۔ لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی نئی اُمت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنج گانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینا رمضان کے روزے رکھو۔ مالوں کی زکوٰۃ نہایت خوش دلی کے ساتھ دیا کرو۔ خانۂ خدا کا حج بجا لاؤ۔ اپنے حکام کی اطاعت کرو، جس کی جزا یہ ہے کہ تم پروردگار کی

فردوسِ بریں میں داخل ہو گے۔

۷۔ لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی پوچھا جائے گا، مجھے ذرا بتا دو کہ تم کیا جواب دو گے؟

سب نے کہا: ''ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچا دیے۔ آپؐ نے رسالت اور نبوت یعنی اللہ میاں کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔''

ہمارے پیارے ہادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اپنی اُنگلی اُٹھائی اور تین دفعہ فرمایا: ''اے اللہ تو گواہ رہنا۔''

پھر آپؐ نے فرمایا: ''جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ (یہ سب باتیں) ان تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔'' اس موقع پر قرآن پاک کی ایک آیت نازل ہوئی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

''آج میں نے تمھارے لیے دین کو پورا کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بہ حیثیت دین پسند کیا۔''

آخری حج کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے طریقے خود برت کر دکھا دیے کہ حج کس طرح ادا کرنا چاہیے۔

اسی موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا: ''مجھ سے حج کے مسئلے سیکھ لو۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے۔''

☆☆☆

میں پاکستانی فوجی ہوں

مسعود احمد برکاتی

مجھے آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا کام پاکستان کی حفاظت کرنا ہے۔ پاکستان کو ان کے دشمنوں سے بچانا اور اس زمین کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ یہ ایک ایسا فرض ہے جس کو ادا کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ اس فرض کو میں صرف افسروں کے حکم سے ہی نہیں، بلکہ اپنے دل کے تقاضے سے بھی ادا کرتا ہوں۔ میں اپنے پیارے وطن کے دفاع کے لیے جو کچھ بھی کرتا ہوں، اس سے میری روح خوش ہوتی ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ میرا کام تباہی پھیلانا، نقصان پہنچانا اور لڑائی کرنا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ میرا کام جنگ کو روکنا اور امن قائم کرنا ہے۔

بعض اوقات امن قائم کرنے کے لیے جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔ جب کوئی دوسرا ملک عقل سے کام نہیں لیتا۔ اس کی ہوس حد سے بڑھ جاتی ہے اور وہ دوسرے ملکوں پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے یا ان کو کمزور کر کے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے اور ان پر حملہ کر دیتا ہے تو میرا فرض ہو جاتا ہے کہ میں اس کا جواب دوں۔ اپنے ملک میں اس کو گھسنے نہ دوں اور اس کو ظلم و زیادتی کا مزہ چکھاؤں۔ اس وقت میں اپنی جان لڑا دیتا ہوں۔ مجھے امن کے زمانے میں لڑنے کی تربیت اسی لیے دی جاتی ہے کہ اگر لڑائی ضروری ہو جائے تو پھر میں خوب لڑوں اور اپنی مہارت سے جنگ میں کامیابی اور فتح حاصل کروں۔ آپ کو معلوم ہے جب بھی ایسا موقع آیا ہے تو میں نے، میرے ساتھیوں نے، میرے افسروں نے بے خوف ہو کر بڑی بہادری، حوصلے اور ہمت سے دشمن کا مقابلہ کیا ہے اور اس کو سبق سکھایا ہے اور کسی

قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ ہم نے اپنی جانیں قربان کر کے اپنے پیارے پاکستان کا دفاع کیا ہے۔ حملہ آور کو کامیاب نہیں ہونے دیا ہے۔

میں اپنے ملک کی خدمت کے علاوہ اپنی قوم کی خدمت بھی کرتا ہوں۔ جنگ کے علاوہ امن کے زمانے میں جب کوئی ہنگامی صورت پیدا ہوتی ہے اور شہروں میں بھی میری ضرورت پڑتی ہے تو میں حاضر ہوتا ہوں۔ طوفانوں اور سیلابوں میں بھی ملک و قوم کی خدمت کر کے خوش ہوتا ہوں۔

مجھے تربیت دی جاتی ہے، یعنی لڑنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کا فن سکھایا جاتا ہے۔

مجھے بہترین ہتھیاروں کا استعمال بتایا جاتا ہے، لیکن مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نظم و ضبط، حکم کی پابندی، وطن سے میری محبت، میرا ایمان، میرا جذبہ اور میرا کردار میری اصل طاقت ہے۔ ایمان اور کردار انسان کو جو قوت عطا کرتے ہیں وہ ہر قوت پر غالب آ سکتی ہے۔

میں ایک "پاکستانی فوجی" ہوں۔ مجھے یہ قوت حاصل ہے اور یہی میری کامیابی کی ضامن ہے۔ ☆

جب ہم دوڑتے ہیں تو ہمارا دل تیزی سے کیوں دھڑکنے لگتا ہے؟

جب ہم پُرسکون ہوتے ہیں تو ہمارا دل ایک منٹ میں عموماً ۷۰ مرتبہ دھڑکتا ہے اور ہر دھڑکن کے ساتھ کم سے کم ایک تہائی کپ خون پمپ کرتا ہے، لیکن جب ہم دوڑتے ہیں یا کوئی ورزش کرتے ہیں تو ہمارا دل دگنی رفتار سے بھی زیادہ دھڑکنے لگتا ہے اور ہر دھڑکن کے ساتھ ایک کپ خون پمپ کرنے لگتا ہے۔ یہ زیادہ خون کا دوران ہمارے زیادہ کام کرنے والے عضلات کو آکسیجن فراہم کرتا ہے اور ان کے ساتھ ہی ضائع ہونے والے مادے بھی جسم سے الگ کرنے کا کام انجام دیتا ہے۔ ☆

شہیدِ ملت

تنویر پھول

لیاقت جیسا پہلے تم کرو قلب و جگر پیدا
مثالِ کہکشاں ہوگی یہاں اک رہ گزر پیدا
اگر دل میں نہاں ہو خدمتِ اسلام کا جذبہ
تعصب کے وہاں ہوتے نہیں برق و شرر پیدا
دلوں میں نیّرِ اسلام کرتا ہے سحر پیدا

خدا کے نام سے ٹوٹے دلوں کو جوڑ دیتے ہیں
جواں ہمت تم گر کی کلائی موڑ دیتے ہیں
لیاقت کی مثالو یاد، اُن کی بات بھی مانو
شناور بحرِ ہمت کے، قفس کو توڑ دیتے ہیں
بزورِ عزم ہو جاتے ہیں اُن کے بال و پر پیدا

یہ منظر دیکھ کر دل کو بڑی تکلیف ہوتی ہے
ہماری قوم غفلت کے نشے میں چُور سوتی ہے
نظر آتا نہیں اے پھولؔ! رہبر اب لیاقت سا
"ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"

قربانی کا جانور

نسرین شاہین

ہم مسلمان سال میں دو عیدیں مناتے ہیں۔ ایک عید الفطر اور دوسری عید قرباں، دونوں عیدیں ہمارے لیے اللہ کا انعام و اکرام ہیں۔ عید الفطر رمضان کے روزوں کے اختتام پر منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ ۱۰ ذی الحج کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم الشان قربانی کی یاد میں منائی جاتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی یہ قربانی کیا تھی، جس کی پیروی مسلمان صدیوں سے کرتے آ رہے ہیں اور تا قیامت کرتے رہیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے واضح طور پر اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو چھری سے ذبح کرتے ہوئے دیکھا تھا اور جب انھوں نے اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ سے کیا تو فرماں بردار بیٹے نے خود کو قربانی کے لیے پیش کر دیا، کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ نبی تھے اور نبی کا خواب اللہ کے حکم کی طرف اشارہ کرتا ہے، تو اپنے اس خواب کی تکمیل کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لیے قربان گاہ کی طرف لے گئے اور ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دیا، ابھی انھوں نے گلے پر چھری رکھی ہی تھی کہ خدا کی طرف سے حضرت اسماعیلؑ کی جگہ ایک مینڈھا (دنبہ) آ گیا جس کی حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کی۔ خدا کی طرف سے پیغام آیا کہ اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی اس قربانی کو صدیاں گزر چکی ہیں، لیکن ہر سال ذی الحج کی دس تاریخ کو تمام امتِ مسلمہ اس قربانی کی یاد تازہ کرتے ہوئے جانور کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ عید قرباں سے پہلے تیاریاں زور و شور سے جاری ہیں۔ قربانی کے لیے جانوروں کی خرید و فروخت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ قربانی کے جانور سے بچے بے پناہ محبت اور لگاؤ کا اظہار کرتے ہیں۔ جانور کے گھر پہنچتے ہی اس کی خدمت شروع ہو جاتی ہے اور اسے سجانے کے لیے مختلف چیزوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سجاوٹ میں بچوں کے ساتھ ساتھ گھر کے بڑے بھی حصہ لیتے ہیں۔ گھر میں جانور کو باندھنے کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔ اکثر گھروں کے اندر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے محلے میں مناسب جگہ پر قناتیں لگا کر کئی کئی جانوروں کو ایک جگہ رکھنے کا انتظام کر لیا جاتا ہے۔ جانور گھر میں بندھا ہو یا گھر سے باہر گلی، محلے میں ہو، بچے اس کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

جانور کے ساتھ محبت اور لگاؤ کے اظہار کے لیے اکثر بچے انھیں خوب کھلاتے پلاتے ہیں اور یہیں سے اکثر بگاڑ پیدا ہوتا ہے، یعنی زبردستی یا ضرورت سے زیادہ کھلانے پلانے سے بعض اوقات وہ بیمار ہو جاتے ہیں یا سست اور نڈھال نظر آتے ہیں۔ اس طرح جانور کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور پھر جانور قربانی کے لائق نہیں رہتا۔ خدمت کے اس جذبے سے سرشار بچوں کو اپنے بڑوں سے پوچھ کر انھیں کھلانا پلانا چاہیے، تاکہ جانور صحت مند، چاق چوبند اور خوش رہے۔ جانور خوش ہوگا تو یقیناً بچے بھی خوش ہوں گے۔

کھانے پینے کے علاوہ بچوں کی جانوروں سے چھیڑ چھاڑ یا خطرناک انداز میں

ان کے ساتھ کھیلنا بھی بعض اوقات نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ گلی، محلے میں دوسرے جانور ایسے بچوں کی وجہ سے خاصے پریشان دکھائی دیتے ہیں، جو ان کو مختلف انداز میں تنگ کرتے اور مارتے پیٹتے ہیں۔ بچوں کو یہ بات خوب اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیے کہ یہ قربانی کے جانور ان کے پاس مہمان ہیں اور عید کے دن ان کی قربانی ہوتی ہے۔ اچھے بچے ان مہمانوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارتے ہیں، ان کا خیال رکھتے ہیں اور ان کو صاف ستھرا بھی رکھتے ہیں۔

قربانی کے جانور سے محبت کا سب سے اچھا اظہار تو یہ ہے کہ انھیں کسی بھی طرح تنگ نہ کیا جائے۔ انھیں کھلائیں، پلائیں ضرور، لیکن ضرورت کے مطابق ہو۔ ویسے جانور بچوں کے ہاتھوں سے کھا کر خوشی محسوس کرتے ہیں، جب کہ بہت زیادہ کھلانے پر انھیں کبھی کبھار غصہ بھی آجاتا ہے، اس لیے ان باتوں کا خیال رکھیں۔ جانوروں کو دوڑانے میں بچوں کو بہت مزہ آتا ہے۔ اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ بہت زیادہ دوڑائیں کہ وہ تھک کر نڈھال ہو جائیں۔

قربانی کا جانور بچوں کے لیے بہت بڑی تفریح ہے۔ اپنی اس تفریح میں ان بچوں کو بھی ضرور شامل کرلیں، جن کے گھروں میں قربانی کا جانور نہیں آسکتا ہے۔ وہ بچے بھی آپ کے ساتھ خوشی میں شامل ہو جائیں گے تو آپ کو دہری خوشی ملے گی۔ ایک تو جانور کی قربانی کی خوشی اور دوسری قربانی نہ کرنے والے بچوں کو خوشی دینے کی خوشی۔ قربانی کے جانور کا خوب اچھی طرح خیال رکھیں اور اپنے دوستوں کو بھی اس میں شامل کریں۔

اور سورج ڈوب گیا

یہ تحریر نومبر ۱۹۹۸ء میں چھپ چکی ہے، مگر بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔

مسعود احمد برکاتی

۱۷-اکتوبر ۱۹۹۸ء عیسوی (۲۵ جمادی الثانی ۱۴۱۹ ہجری) کو یہ دل ہلا دینے والی خبر نونہالوں کے علاوہ بزرگوں پر بھی بجلی بن کر گری کہ ایک شریف انسان، ایک انسان دوست، ایک خادم ملت، ایک محسنِ قوم، ایک سچا محبِ وطن، نونہالوں سے ٹوٹ کر پیار کرنے والا اللہ کو پیارا ہو گیا: ''حکیم محمد سعید شہید کر دیے گئے۔'' منٹوں میں روح کو تڑپا دینے والی یہ خبر پورے ملک میں پہنچ گئی۔ ہر شہر، ہر گاؤں میں لوگ رونے لگے۔ بچے، بڑے، عورت، مرد، ہر عمر، ہر خیال، ہر مرتبے، ہر علاقے اور ہر مذہب کے لوگ دل پکڑ کر رو گئے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

حکیم صاحب نونہالوں کو بہت چاہتے تھے اور نونہال بھی ان کو دل سے چاہتے تھے، پیار کرتے تھے۔ جو نونہال ان سے نہیں ملے تھے وہ ملنے کے لیے بے چین رہتے تھے، جو مل چکے ہوں وہ بار بار ملنا چاہتے تھے۔ نونہال ان کی تحریریں بڑے شوق سے پڑھتے تھے۔ اس سے فائدے اُٹھاتے تھے۔ ان کی تحریروں کو سنبھال کر رکھتے تھے۔ حکیم صاحب خود کو نونہالوں کا دوست لکھتے تھے۔ بچے بھی ان کو پیار سے اپنا دوست لکھتے تھے۔ بہت سے نونہال ان کو ''حکیم انکل'' لکھتے تھے۔

شہادت کی اطلاع ملتے ہی نونہالوں کے خط آنے شروع ہو گئے۔ حکیم صاحب کے کارنامے تو اتنے ہیں کہ ان کے لیے مضمون نہیں کتاب بلکہ کتابیں چاہییں، لیکن صدمے سے نہ ذہن کام کر رہا ہے اور نہ قلم چل رہا ہے۔ حکیم صاحب کی اس امانت ''ہمدرد نونہال'' کو محترمہ سعدیہ راشد کی رہنمائی میں حکیم صاحب کی روایت کے مطابق مرتب کرنے کی مقدور بھر کوشش کرتا رہوں گا۔ ہمدرد نونہال حکیم صاحب کو بہت عزیز تھا۔ انھوں نے یہ رسالہ آج سے ۴۶ برس پہلے ۱۹۵۳ء میں جاری کیا تھا اور وہ اس کے ہر کام میں اور اس کی ترقی کے لیے ہر تدبیر میں دل سے شریک ہوتے تھے۔ جب رسالہ چھپ کر آتا تھا تو اسی رات کو سونے سے پہلے پورا رسالہ پڑھتے تھے اور اس پر اپنے دستخط کر کے مجھے بھیجتے تھے۔ جو تحریر زیادہ پسند آتی تو اس کی تعریف بھی لکھتے۔ اگر کوئی غلطی رہ جاتی تو اس پر نشان لگا دیتے۔

☆☆☆

تصویر خانہ

صارفین ندیم خانزادہ، سکرنڈ

منشاء فاطمہ، باغ کورنگی

محمد اذان، لانڈھی

حفصہ نوید، کراچی

جویریہ قریشی، جامشورو

ناہید صغیر حسین، کراچی

محمد حذیفہ سلیم، نواب شاہ

سعد محمد موسیٰ، کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

گلے میں ہو خراش آئے ورم یا آواز بیٹھ جائے
شربت
توت سیاہ
بولو کھل کھلا کے!
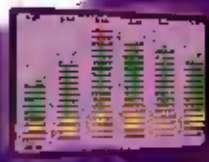
جذبے کی جیت

جاوید بسام

زمان بابا ایک باغبان تھے۔ اونچے پہاڑوں کے دامن میں ایک گاؤں کے باہر ان کا پھلوں کا باغ تھا۔ سب سے اچھے اور میٹھے پھل ان کے باغ میں ہی پیدا ہوتے اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتے تھے۔ بابا بہت مخلص اور محنتی آدمی تھے۔ اپنے باغ کا بہت خیال رکھتے، تمام درختوں، پودوں اور بیلوں پر ان کی نظر رہتی، کب نئی قلمیں لگانی ہیں، کب دوا کا اسپرے کرنا ہے اور کب پھل اُتارنے ہیں، انھیں ہمیشہ یاد رہتا تھا۔ وہ صبح سویرے ہی کام میں لگ جاتے۔ دوپہر کو وہ اس اونچی بینچ پر آ بیٹھتے، جس پر انگور کی بیل نے سایہ کر رکھا تھا۔ وہاں بیٹھ کر وہ پورے باغ پر نظر رکھتے تھے۔ گاؤں کے لوگوں کا خیال تھا

کہ ان کے پاس بہت دولت ہے، جو انھوں نے باغ میں کہیں دبا رکھی ہے۔

بابا کا گھر بھی باغ میں ہی تھا۔ اس کی چھت لال کھپریل کی تھی۔ ہر سال گرمیوں میں ابابیلیں اس میں اپنے گھونسلے بنانے آ جاتی تھیں۔ ایک دن وہ اپنی جگہ پر بیٹھے تھے کہ قدموں کی آہٹ سنائی دی، کوئی باغ کی طرف آ رہا تھا۔ وہ کوئی چودہ پندرہ برس کا لڑکا تھا۔ اس نے پیروں میں جو گرز پہن رکھے تھے اور کندھے پر ایک تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ پھاٹک کے قریب آ کر اس نے سلام کیا اور بولا: ''بابا جی! کوئی کام مل جائے گا؟''

''تمھیں کیا کام آتا ہے؟'' بابا نے پوچھا۔

''میں ہر کام کر لیتا ہوں، مجھے کھانا پکانا آتا ہے، جوتوں کی مرمت بھی کر لیتا ہوں، جلانے کے لیے لکڑیاں بھی کاٹ سکتا ہوں۔'' لڑکا بولا۔

بابا نے پھاٹک کھول کر اسے اندر بلا لیا اور بولے: ''ہاں مجھے لکڑیاں کٹوانی ہیں۔''

وہ اسے گھر کے پچھلے حصے میں لے گئے، جہاں ایک سوکھا درخت کٹا پڑا تھا: ''یہ لکڑی کاٹ دو۔ کتنے پیسے لو گے؟''

''دو سو روپے۔'' لڑکا بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' بابا نے اسے کلہاڑی دی۔ لڑکے نے آستینیں چڑھائیں، ہاتھوں پر پھونک ماری اور کلہاڑی چلانے لگا۔ بابا گھر میں چلے گئے۔ وہاں سے لڑکا نظر تو نہیں آ رہا تھا، لیکن کلہاڑی چلانے کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ وہ مہارت سے لکڑی کاٹ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے آواز دی۔ بابا نے جا کر دیکھا اس نے اچھے طریقے سے لکڑیوں کے ٹکڑے کیے تھے۔ بابا زمان اس کا کام دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پیسے دے کر اس سے

پوچھا: ''تم کہاں سے آئے ہو، ایسا لگتا ہے لمبا سفر کیا ہے؟''

''ہاں میں اوپر پہاڑوں کے پار سے آرہا ہوں۔''

''تمھارا گھر ہے وہاں؟''

''نہیں میرے ماں باپ بچپن میں فوت ہو گئے تھے، چچا نے پالا ہے۔ وہ ظلم کرنے لگا تو میں نے گھر چھوڑ دیا۔ اب اِدھر اُدھر گھوم کر روزی کماتا ہوں۔'' لڑکا بڑوں کی طرح بات کر رہا تھا۔

''تمھارا نام کیا ہے؟'' بابا نے ہمدردی سے پوچھا۔

''اکبر۔'' وہ بولا۔

''کیا تمھیں باغبانی بھی آتی ہے؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

"جی، میرا ایچا بھی باغبان ہے، میں نے کچھ عرصے اس کے ساتھ کام کیا ہے۔"

"اگر تم چاہو تو میرے پاس رک جاؤ، مجھے ایک آدمی کی ضرورت ہے۔"

وہ راضی ہو گیا۔ چند دنوں میں ہی بابا نے اندازہ لگا لیا کہ وہ بہت محنتی ہے۔ وہ دل لگا کر دیر تک کام کرتا اور بالکل نہیں تھکتا تھا۔ بابا اس کے کام سے بہت خوش تھے۔ ایک دن دونوں باغ میں فالتو جھاڑیاں ہٹا رہے تھے کہ ایک درخت پر کسی پرندے کے پَر نے کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو اونچے کے ایک درخت پر کوئی پرندہ تھا۔ وہ پتوں میں چھپ رہا تھا۔ بابا نے کہا: "یہ مرغ زریں ہے، جوں جوں موسم ٹھنڈا ہوتا ہے یہ پہاڑوں سے نیچے وادیوں میں آ جاتے ہیں۔"

اکبر بولا: "یہ بہت خوب صورت ہے۔ سنا ہے یہ مہنگا بکتا ہے؟"

"ہاں شوقین لوگ خرید لیتے ہیں۔" بابا نے کہا۔

دونوں کام میں لگ گئے کچھ دیر بعد بابا کو تھکن محسوس ہوئی تو وہ آرام کرنے کا کہہ کر گھر میں چلے گئے۔ انھیں نیند آ گئی۔ آنکھ کھلی تو خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر آئے۔ اکبر کا کہیں پتا نہ تھا۔ اچانک بابا کو درخت کے نیچے پرندے کے پَر پڑے نظر آئے۔ ایسا لگتا تھا وہاں چھینا جھپٹی ہوئی ہے۔ کچھ دیر بعد اکبر واپس آ گیا۔ بابا کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ دوست سے ملنے گاؤں گیا تھا۔ دونوں کھانا کھانے بیٹھے۔ اکبر جھکا تو بابا کو اس کی جیب میں بڑے نوٹ نظر آئے تو بابا نے پوچھا: "تم نے مرغ زریں پکڑ کر بیچ دیا؟"

"نہیں۔" اکبر نے جواب دیا۔

''تمھیں نہیں معلوم، وہ آزاد پنچھی ہے۔ قید میں بیمار ہو کر مر جاتا ہے۔''

''نہیں میں نے نہیں پکڑا، کہیں اُڑ گیا ہو گا۔'' اکبر اپنی بات پر ڈٹا تھا۔

''پھر تمھارے پاس یہ پیسے کہاں سے آئے ہیں؟''

اکبر خاموش رہا۔ بابا اسے سمجھانے لگے، لیکن وہ اٹھ کھڑا ہوا، اپنا تھیلا نکال کر اس میں سامان بھرا اور جوتے پہن کر پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' بابا نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا، پھاٹک زوردار آواز سے بند کیا اور تیز قدموں سے دور چلا گیا۔

ایک مہینا ہی گزرا تھا کہ وہ پھر پھاٹک کے باہر موجود تھا۔ وہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔ بابا کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ درخت سے گر گیا تھا۔ بابا اسے گھر میں لے گئے۔ پہلے اسے کھانا کھلایا، پھر چوٹ پر دوا لگانے کو دی۔ کئی دن بعد وہ ٹھیک ہوا اور پھر ان کے ساتھ کام پر لگ گیا۔ وہ سبزیاں بونے کا موسم تھا۔ وہ دونوں سارا دن کام میں لگے رہتے۔ اسی طرح تین مہینے گزر گئے۔ سبزیوں کی فصل تیار تھی۔ چند دنوں میں بیوپاری آتے اور فصل خرید کر لے جاتے۔ ایک دن بابا اپنی جگہ بیٹھے تھے کہ اچانک ان کی تیز نگاہوں نے سیب کے درختوں پر کیڑے چلتے دیکھے تو قریب جا کر ان کا جائزہ لینے لگے۔ اکبر بھی ان کے پاس چلا آیا۔ بابا نے کہا: ''درختوں پر کیڑوں نے حملہ کر دیا ہے، اسپرے کرنا پڑے گا، لیکن میرے پاس دوا ختم ہو گئی ہے۔ میں دوسرے گاؤں دوا خریدنے جا رہا ہوں۔ تم باغ کا خیال رکھنا۔''

وہ فوراً ہی روانہ ہو گئے۔ انھیں راہ ہی آتے آتے سہ پہر ہو گئی۔ آتے ہی انھوں نے درختوں پر اسپرے کیا اور تھک کر سو گئے۔ اگلے دن جب وہ باغ میں ٹہل رہے تھے تو انھوں نے محسوس کیا کہ سبزیوں کے کئی تختے جو ٹماٹروں، بھنڈیوں اور گوبھی سے بھرے تھے خالی ہیں۔ انھوں نے اکبر کو آواز دی۔ وہ آیا تو بابا بولے: ''ایسا لگتا ہے کل کسی نے یہاں فصل چرا لی ہے۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' اکبر بولا۔

''کیا تم کہیں گئے تھے؟''

''نہیں، میں یہیں تھا۔''

''یہ دیکھو، یہاں کچھ لوگوں کے قدموں کے نشان ہیں، یہاں بورے رکھے گئے، پھر انھیں بھر کر گھسیٹا گیا۔'' بابا نے زمین کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

اکبر لاتعلق سا کھڑا تھا۔

''تم نے سبزیاں بیچ کر کتنے پیسے بنائے؟'' اچانک بابا نے پوچھا۔

''میں نے کوئی سبزی نہیں بیچی۔'' اکبر بولا۔

بابا غصے سے بولے: ''تم نہ صرف چور ہو، بلکہ جھوٹے بھی ہو۔ شاید میں چور کے ساتھ تو گزارا کر لوں، لیکن جھوٹے آدمی کے ساتھ میں بالکل نہیں رہ سکتا۔''

اکبر اُٹھ کر گھر میں چلا گیا۔ اندر سے کپڑے جھٹکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آیا۔ اس کے کندھے پر تھیلا لٹکا تھا۔ اس کا رخ باہر کی طرف تھا۔ بابا نے اسے نہیں روکا۔ اس نے آج بھی پھاٹک زوردار آواز سے بند کیا تھا۔

اگلی بار جب وہ آیا تو اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ تین چار لوگ تھے۔ علاقے کے تھانے دار نے اسے پکڑا ہوا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور منھ سوجا ہوا تھا۔ آوازیں سن کر بابا پھاٹک پہ آ گئے۔

تھانے دار بولا: ''زمان بابا! اس لڑکے نے بازار میں ایک آدمی کا موبائل نکال لیا تھا۔ لوگوں نے اسے دیکھ لیا اور بہت مارا۔ میں اسے تھانے لے جا رہا تھا کہ اس نے بتایا، یہ تمھارے پاس کام کر چکا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تم اس کی ضمانت دے دو گے۔''

بابا کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے: ''ہاں یہ میرے پاس کام کر چکا ہے اس کو اپنے کیے کی سزا مل گئی ہے، اگر چاہو تو اسے چھوڑ دو۔''

تھانے دار نے اسے تنبیہ کر کے چھوڑ دیا۔ وہ اندر گیا باقی لوگ واپس چلے گئے۔

اکبر پھر زمان بابا کے پاس کام کرنے لگا۔ بابا اکثر اسے ساتھ لے کر بیٹھتے اور اسے اچھے بُرے کی تمیز سکھاتے۔ دن گزرتے رہے۔ ایک دن جب بابا سو کر اُٹھے تو اکبر کو غائب پایا۔ ان کے جوتے غائب تھے اور تھیلا بھی نہیں تھا۔ بابا نے اپنے کمرے کا جائزہ لیا۔ ان کا صندوق کھلا ہوا تھا۔ بابا کپڑوں کے نیچے اپنی ضرورت کی رقم رکھتے تھے۔ وہ تین ہزار روپے تھے جو نظر نہیں آ رہے تھے۔ بابا افسوس سے گردن ہلانے لگے۔

دن گزرتے رہے۔ سردیوں کا موسم آ گیا۔ تمام فصلیں اُتر چکی تھیں۔ پہاڑوں پر برف باری بھی ہونے لگی تھی۔ ایک دن بابا پھاٹک کے کُنڈے کی مرمت کر رہے تھے کہ انھوں نے اکبر کو آتے دیکھا۔ اس کے کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ پیروں میں جوتے بھی نہ تھے۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ قریب آ کر وہ چکرا کر گرنے لگا۔ بابا نے اسے

سنبھالا اور اندر لے گئے۔ اکبر سردی سے کانپ رہا تھا، اسے بخار بھی تھا۔ بابا نے اسے انگیٹھی کے قریب بٹھا کر کمبل میں لپیٹ دیا، پھر سوپ بنا کر پلایا۔ جب اس کی حالت کچھ سنبھلی تو اس نے روتے ہوئے بتایا کہ اسے کچھ لوگ اغوا کر کے لے گئے تھے۔ وہ بہت مشکل سے ان کی قید سے فرار ہوا اور تین دن تک پہاڑوں میں چلتا رہا۔ بابا اس کے لیے دوا لے کر آئے۔ اسے ٹھیک ہونے میں ایک مہینا لگ گیا تھا۔

ایک صبح جب سردی تھی اور بارش بھی آنے والی تھی۔ بابا نے دیکھا کہ وہ اپنا سامان سمیٹ رہا ہے۔

''کہاں چلے؟'' بابا نے پوچھا۔

وہ سر جھکا کر شرمندگی سے بولا: ''میں یہاں سے جا رہا ہوں، اب کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ میں بہت بُرا ہوں۔ بار بار غلطی کرتا ہوں، لیکن آپ ہمیشہ میرے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔''

بابا نے کہا: ''ٹھیرو! میں تمھیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ یہ جو آج تم ہرا بھرا باغ دیکھ رہے ہو، کبھی سخت بنجر زمین تھی۔ میں اس پر بہت محنت کرتا، لیکن چند سبزیاں اُگا پاتا تھا۔ ان ہی دنوں کچھ لوگوں نے گاؤں میں دوا خانہ قائم کرنے کی کوشش کی، کیوں کہ بیمار آدمی کو دور دراز کی دوری پر دوسرے گاؤں لے جانا پڑتا تھا۔ لوگ معمولی بیماریوں سے اکثر راستے میں ہی فوت ہو جاتے تھے۔ وہ لوگ ایک دوا خانہ بنانا چاہتے تھے، لیکن سب غریب تھے، پیسے کسی کے پاس نہیں تھے۔ آخر میں نے یہ ذمے داری اُٹھائی اور اپنی جو تھوڑی بہت آمدنی تھی سب دوا خانے کے لیے وقف کر دی۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد میری بنجر زمین

اس طرح جاگ اٹھی کہ میرے ساتھ ساتھ گاؤں والے بھی حیران رہ گئے۔ میں نے ان پر بہت سارے درخت لگائے۔ دن رات انھیں سینچا، سنوارا۔ میرا باغ ترقی کرتا گیا۔ میں خرچے کی کچھ رقم نکال کر باقی سب دواخانے کو دے دیتا تھا۔ دن گزرتے رہے۔ آخر ہم گاؤں میں ایک چھوٹا سا اسپتال بنانے میں کامیاب ہو گئے۔'' وہ خاموش ہو گئے۔

اکبر سر جھکائے ان کی باتیں سن رہا تھا۔

بابا نے اپنی بات جاری رکھی: ''بیٹا! تم برے نہیں ہو، بعض عادتیں اچھی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے پڑ جاتی ہیں۔ تم بہت محنتی ہو۔ مجھے تم میں اپنا عکس نظر آتا ہے، لیکن تھوڑے سے لالچی ہو، تمھیں اپنا لالچ ختم کرنا ہوگا۔ بیٹا! دنیا میں کچھ لوگوں کو برائی بالکل راس نہیں آتی۔ قدرت فوراً اپنے ڈنڈے سے ان کی اصلاح کر دیتی ہے۔ تم نے پرندہ پکڑ کر بیچا تو تمھارے پاؤں پر چوٹ لگ گئی، تم نے سبزیاں فروخت کیں تو چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے اور مار کھائی اور جب تم پیسے چرا کر لے گئے تو تمھیں بچوں کو پکڑ کر بیچنے والوں نے پکڑ لیا۔ تم نے کتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ قدرت نہیں چاہتی کہ تم کوئی غلط کام کرو اور تمھیں غلط کام کرنا بھی نہیں چاہیے۔ تم ایک بہترین باغبان بن سکتے ہو۔ جو لوگ دو ہاتھوں سے کام کرنا جانتے ہیں، انھیں غلط طریقے استعمال نہیں کرنے چاہییں۔''

اکبر دھیرے دھیرے رو رہا تھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ بابا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بولے: ''بیٹا! تمھیں خود کو بدلنا ہوگا۔ ایک اچھا انسان بننا ہوگا، اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ آئندہ کوئی غلط حرکت نہیں کرو گے تو میں تمھیں اس باغ کا نگراں بنا دوں گا۔ میں اب زیادہ عرصے زندہ نہیں رہوں گا، لیکن تمھیں ایمان داری

سے کام کرنا ہوگا۔ اگر کبھی کوئی غلطی کی تو فوراً یہ جگہ چھوڑنی ہوگی۔''

اکبر روتے ہوئے بولا: ''نہیں بابا! میں اس قابل نہیں ہوں، میں یہاں سے دور چلا جاؤں گا اور پھر کبھی نہیں آؤں گا۔''

''تمھیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہیں رہو گے میرے پاس۔'' بابا نے زبردستی اسے روک لیا۔

اکبر اسی طرح وہاں کام کرتا رہا۔ اس نے خود کو بالکل بدل لیا تھا۔ وہ اور زیادہ محنت کرنے لگا تھا۔ کئی سال گزر گئے، بابا کا ان پر اعتماد بحال ہو گیا تھا۔ اکبر نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ سب کام ان کے کہنے کے مطابق کرے گا۔ چند سالوں بعد زمان بابا کا انتقال ہو گیا۔ اکبر بہت غمگین تھا۔ پھر اس نے پوری توجہ باغ پر لگا دی وہ اور زیادہ محنت کرنے لگا۔ وہ جوان تھا اور اسے تیار باغ ملا تھا۔ اس کے پاس بہت سا وقت فالتو بچ جاتا تھا۔

ایک دن اسے پتا چلا کہ باغ کے برابر والی کچھ زمین بک رہی ہے اس نے سوچا کہ اگر وہ خرید لی جائے تو وہاں بھی باغ لگایا جا سکتا ہے۔ اس نے زمین خرید کر وہاں بھی باغ لگا دیا۔ کچھ ہی عرصے میں آمدنی دوگنی ہو گئی۔

اس طرح بہت سال گزر گئے۔ جو پودا زمان بابا نے لگایا تھا اکبر نے اسے ایک تناور درخت بنا دیا۔ اس نے ایک غریب لڑکی سے شادی کر لی اور اس کا ایک بیٹا بھی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اکبر نے زندگی بھر کوئی لالچ نہیں کیا، کیوں کہ اس نے ہر برے خیال کو اپنے دل سے نکال دیا تھا اور وہ دو ہاتھوں سے کام لینا جان گیا تھا۔ اللہ نے اسے بھی بہت برکت دی۔ اس نے گاؤں کے اسپتال کی امداد میں بھی اضافہ کر دیا۔ ☆

قومی زباں

حکیم خاں حکیم

اک دوجے سے بات کرو جب
اردو میں اظہار کرو سب
بچو! اس سے پیار کرو سب
میٹھی میٹھی پیاری زباں ہے

اردو ہماری قومی زباں ہے

دنیا بھر میں بولی جائے
لکھی جائے پڑھی جائے
آسانی سے سمجھی جائے
سب زبانوں سے آساں ہے

اردو ہماری قومی زباں ہے

اس کو جگ میں عام کرو تم
اس کی خاطر کام کرو تم
اس سے روشن نام کرو تم
اس جیسی کوئی اور کہاں ہے

اردو ہماری قومی زباں ہے

دل ہے یہ اور جان ہماری
اس سے قائم شان ہماری
اس سے ہے پہچان ہماری
ملک و قوم کی ترجماں ہے

اردو ہماری قومی زباں ہے

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

عظیم لوگ

مرسلہ : محمد حارث بھٹ، ملتان

سلطان صلاح الدین ایوبی نے فلسطین، شام، اردن، لبنان اور مصر پر حکومت کی، بیت المقدس بھی فتح کیا، لیکن جب ان کا انتقال ہوا تو قرض لے کر ان کے کفن دفن کا انتظام کیا گیا۔

ان کی وفات کے بعد ان کی ذاتی جائداد کا حساب کیا گیا تو ایک گھوڑا، ایک تلوار، ایک زرہ، ایک دینار اور چھتیس درہم کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ وہ شدید خواہش کے باوجود حج نہ کر سکے۔ ایسے عظیم لوگ بھی حکمراں رہے ہیں۔

کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں

مرسلہ : ارسلان اللہ خان

مولانا شبلی نعمانی ؒ ایک مرتبہ اکبر الٰہ آبادی سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ نماز کا وقت آیا تو اکبر الٰہ آبادی اور مولانا شبلی مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ لوگ دروازے سے نکل رہے تھے اور اکبر کے صاحبزادے عشرت مکان میں داخل ہو رہے تھے۔ عشرت نے یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ نماز کے لیے جا رہے ہیں، نگاہ بچانے کی کوشش کی۔

اکبر الٰہ آبادی وہیں رک گئے، عشرت کو آواز دی اور عشرت کی طرف اشارہ کیا اور شبلی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر سنایا:

بے نمازوں میں ہیں یہ اور اس پہ شرماتے نہیں
خیریت یہ ہے، کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں

بونے کہاں پائے جاتے ہیں؟

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

انسان کی ایک نسل ایسی بھی ہے، جس

کے مردوں اور عورتوں کا قد نوبا ساڑھے چار فیٹ ہوتا ہے۔ انھیں قدرت سے کوئی شکایت نہیں، کیوں کہ وہ سب کے سب بونے ہیں اور ان میں کوئی شخص بھی بڑے قد کا نہیں ہوتا۔ ان میں جب کسی کا قد چار فیٹ گیارہ انچ ہو جاتا ہے تو لوگ اسے حیرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

بونوں کی ایک نسل افریقا میں کانگو، گیبون، روانڈا، برونڈی اور کیمرون کے جنگلوں میں رہتی ہے۔ یہ لوگ نہ گھر بانی سے دل چسپی رکھتے ہیں اور نہ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ انھیں اپنا تن ڈھانپنے کے لیے لباس کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور نہ انھیں در و دیوار کا گھر بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ لوگ بڑی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنی خوراک شکار، پھل اور جنگلی شہد سے حاصل کرتے ہیں۔ شکار کے لیے تیر کمان استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ چھوٹے گروہوں میں رہتے ہیں اور ان کا سردار قبیلے کا سب سے بوڑھا آدمی ہوتا ہے۔ ایشیا میں بونوں کی نسل ملائیشیا، ساراواک، نیوگنی، انڈمان اور فلپائن میں پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ بھی جنگلوں میں رہتے ہیں اور بڑی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

اسکواش

مرسلہ : محمد قمر الزمان، خوشاب

☆ اسکواش کے کھیل کی ابتدا انگلینڈ سے ہوئی۔

☆ اسکواش کے کھیل کی ابتدا ۱۸۷۰ء میں ہوئی۔

☆ اسکواش کا کھیل دو کھلاڑیوں کے درمیان کھیلا جاتا ہے۔

☆ اسکواش میں ۹ پوائنٹ جیت کر کھلاڑی فتح یاب ہوتا ہے۔

☆ امریکا میں اسکواش کا کھیل ۱۵ پوائنٹس کا ہوتا ہے۔

☆ اسکواش کی گیند بیڈمنٹن کی گیند جیسی ہوتی ہے۔

☆ اسکواش کا جادوگر ہاشم خان کو کہا جاتا ہے۔

☆ اسکواش کی پہلی پاکستانی خاتون چیمپین نبیلہ نعیم تھیں۔

پابندیِ وقت

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

دفتر کے کام سے جنید میاں بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے لاہور جانے کے لیے گرتے پڑتے ذرا تاخیر سے ایئرپورٹ پہنچے تو فلائٹ روانہ ہو رہی تھی۔ سرنگ نما راستے کا گیٹ بند ہو رہا تھا۔ جنید کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون سے لڑنے لگے کہ انھیں بورڈنگ کارڈ دیا جائے اور ہوائی جہاز کو رکوایا جائے۔

"فلائٹ کا ٹائم تین بج کر دس منٹ ہے اور میری گھڑی میں ابھی تین بج کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔" انھوں نے خاتون کو اپنی گھڑی دکھائی۔

ایئر لائن کی ملازم خاتون نہایت تحمل اور شائستگی سے بولیں: "جی تو ٹھیک ہے سر! لیکن آپ چوں کہ یہاں موجود نہیں تھے اس لیے مجبوراً ہمیں اپنی ہی گھڑی دیکھ کر فلائٹ روانہ کرنا پڑی۔"

اندازِ بیاں اور

مرسلہ : نادیہ اقبال، کراچی

❁ میں نے آج "ڈ" کھائی۔

❁ "ی" تصویر بہت پیاری ہے۔

❁ پولیس جائے واردات پر "ع" موقع پر پہنچی۔

❁ میں نے بوری میں آٹا "ڈ" دیا۔

❁ میں اپنی امی "ث" بہت پیار کرتی ہوں۔

❁ ہمارے محلے والے بڑے "ب" مروت ہیں۔

کتاب دوست

مرسلہ : مدیحہ رمضان، بلوچستان

مشہور فلسفی گولڈ اسمتھ نے کہا کہ کسی کتاب کو جب میں پہلی مرتبہ پڑھتا ہوں تو مجھے ایک نیا دوست ملنے کے برابر خوشی

ہوتی ہے اور جب کبھی پڑھی ہوئی کتاب دوبارہ پڑھتا ہوں تو کسی دیرینہ دوست کے ملنے کا مزہ آتا ہے۔

معلوماتِ پاکستان

مرسلہ : تسمینہ ادریس کھتری، کراچی

- مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں ڈھاکا میں قائم ہوئی۔
- قائداعظم نے ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔
- ۱۹۲۹ء میں نہرو رپورٹ کے جواب میں قائداعظم نے ۱۴ نکات پیش کیے۔
- ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے الہٰ آباد کے مقام پر خطبہ دیا۔
- ۱۹۳۳ء میں چودھری رحمت علی نے پاکستان کا نام تجویز کیا۔
- ۱۹۴۰ء میں قراردادِ لاہور پیش کی گئی۔
- ۱۹۴۵ء میں شملہ کانفرنس منعقد ہوئی۔
- ۱۹۴۷ء میں پاکستان دنیا کے نقشے پر وجود میں آیا اور قائداعظم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔

روشنی

مرسلہ : محمد حبیب الرحمٰن، ماڈل کالونی

روشنی بڑی اچھی چیز ہے۔ روشنی پیدا کرنے کے کئی ذرائع ہیں۔ موم بتی، بلب، لالٹین، سورج وغیرہ۔ سورج روشنی تو خوب دیتا ہے، لیکن دن میں اس کا نکلنا بے فائدہ ہے۔ دن میں تو ویسے بھی روشنی ہوتی ہے۔ رات کو نکلا کرتا تو اچھا تھا۔ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی گھنٹہ ہے۔ اندھیرے کی رفتار کبھی ناپی نہیں گئی۔ اندھیرے کو ظلمات بھی کہتے ہیں۔

بحرِ ظلمات ایک سمندر ہے، جس میں علامہ اقبال کے بیان کے مطابق پرانے زمانے کے مسلمان ریس کورس کا کام لیا کرتے تھے یعنی گھوڑے دوڑاتے تھے۔

☆☆☆

بچوں کا سرسید

نور محمد جمالی، اوستا محمد

پاک سرزمین کی تاریخ میں شہید حکیم محمد سعید کے علاوہ شاید ہی ایسا کوئی دوسرا بڑا انسان گزرا ہو، جسے ملک کے ہر بچے کا دوست سمجھا گیا ہو یا جسے ملک کا ہر بچہ اپنا محبوب دوست سمجھتا ہو۔ یہ امتیازی شان شہید حکیم محمد سعید ہی کے حصے میں آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں آپ کو ایک عظیم مسیحا کے طور پر جانا جاتا ہے، وہیں آپ کو بچوں کا سرسید بھی کہا جاتا ہے۔

بچوں سے آپ کی محبت کسی خاص حوالے، جگہ یا خاص وقت تک محدود نہیں رہی، بلکہ نصف صدی تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا، کیوں کہ شہید حکیم محمد سعید سمجھتے تھے کہ یہی نونہال وطن عزیز کا مستقبل ہیں۔ یہ کل کے معمار ہیں۔ پاکستان کا سرمایہ ہیں۔ ان کی زندگی کی آخری اہم مصروفیت بھی بچوں کی مجلس نونہال اسمبلی کراچی کی تقریب میں شرکت تھی۔

آپ نے بچوں کی اس اسمبلی سے آخری مرتبہ خطاب کیا۔ یہ ۱۶-اکتوبر ۱۹۹۸ء کا واقعہ ہے اور اگلے روز بچوں کے اس عظیم دوست کو دہشت گردوں نے خون میں نہلا دیا۔

شہید کی بچوں سے دوستی لافانی تھی اور اب بھی ان کا مشن وطن عزیز کا ہر نونہال آگے بڑھا رہا ہے۔

اپنے بچپن کے متعلق حکیم محمد سعید کہتے ہیں کہ وقت گزر گیا، برسوں بیت گئے، عمر گزر گئی۔ بچپن کو آواز دوں تو کیسے؟ ماضی کو دیکھتا ہوں تو ڈر جاتا ہوں کہ شرارتوں سے پُر ہے۔ شرارتوں پر غور کرتا ہوں تو ان کو ایک سے ایک خطرناک پاتا ہوں۔ ایسی خطرناک کہ اگر آج بچوں کو بتا دوں تو وہ ڈر جائیں۔

حاجی بابو فضل الٰہی صاحب میرے بڑے ماموں تھے اور گلو ان کی پالی ہوئی تھی۔ حاجی صاحب بڑے اچھے انسان تھے۔ گلو بھی بڑی خوب صورت تھی۔ (بھئی گلو ان کی گائے کا نام تھا) تو شب برات کا دن تھا۔ پٹاخوں کی لڑیاں چٹاچٹ، پٹاپٹ چھوٹ رہی تھیں۔ محلے بھر کے بچے ہلا گلا کر رہے تھے اور میں ان سب کا سردار تھا۔ ایک شور برپا تھا۔ اتنے میں میری نظر گلو پر پڑی۔ شرارت سوجھی اور پھر ہم نے پٹاخوں کی ایک لڑی کو گلو کی دم سے باندھ دیا اور دیا سلائی دکھائی۔ پھر تو پوری شدت کے ساتھ پٹاخے پھوٹنے لگے۔

گلو اس ناگہانی آفت سے بے چین ہو کر بھاگی تو کئی بچے اس کی لپیٹ میں آ کر زخمی ہو گئے۔ زخمی ہونے کے باوجود سب ہنس رہے تھے کہ اچانک جمو درزی کی ماں گلو کی ٹانگوں میں آ کر شدید زخمی ہو گئیں۔ ان کی چیخیں سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔ محلے کا محلہ جمع ہو گیا۔ میں جمو کی ماں کے پاس گیا اور اپنا گناہ تسلیم کیا۔ انھوں نے مجھے پیار کیا اور یوں معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ یہ بڑی خطرناک شرارت تھی۔

آگے چل کر اس عظیم انسان کا کہنا ہے کہ میں چودہ سال کا ہو گیا تھا۔ اس عرصے میں اچھے خاصے کارنامے انجام دیے۔ بھئی ذرا غور کرو کہ میں جب پانچ سال کا ہوا تو قرآن حکیم ناظرہ ختم کر چکا تھا۔ سات سال کا ہوا تو حج بیت اللہ کر آیا تھا۔ نو سال کا ہوا تو قرآن مجید حفظ کر چکا تھا۔ گیارہ سال کا ہوا تو اردو، حساب، انگریزی اور جغرافیے کے کورس پورے کر چکا تھا۔ تیرہ برس کا ہوا تو فارسی اور عربی بھی پڑھ ڈالی۔ میں خطرناک حد تک کھلاڑی تھا۔ موت کے گولے (سرکس کے کنویں) میں بھی موٹر سائیکل دوڑا دی تھی۔

ایک دن میرے بڑے بھائی نے کہا: ''اب تم کو فیصلہ کرنا ہے کہ کھیل یا پھر تعلیم؟''

دوسرے دن بھائی جان سے میں نے کہا کہ سب کھیل چھوڑ دوں گا۔ اب بس پڑھوں گا اور لکھوں گا۔ اس دن سے شطرنج کو بھی چھوڑ دیا، جو کہ میرا پسندیدہ کھیل تھا۔ یوں میری زندگی میں بہت بڑا انقلاب آ گیا۔

وطن کے یہ عظیم ہیرو ایک جگہ کہتے ہیں کہ ابھی صبح کے تین بجے تھے اور رات کا آخری حصہ تھا کہ میں بیدار ہو گیا۔ شیطان نے بہکایا کہنے لگا: ''سعید! ابھی تو رات ہے، سو جاؤ، سو جاؤ، میں صبح ہی تم کو جگا دوں گا۔''

نونہالو! پہلے تو میں شیطان کی لوریاں مزے سے سنتا رہا۔ جب اس نے کہا کہ ''سعید! سو جاؤ'' تو مجھے اس کی یہ بات اچھی لگی اور میں نے آنکھیں بند کر لیں، مگر اتنے میں میرا ضمیر بیدار ہو گیا۔ دل روشن ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے زور سے ''لاحول ولاقوۃ'' پڑھی، پھر تو شیطان ایسا بھاگا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ میں فوراً اُٹھ بیٹھا اور بستر سے کود پڑا۔

نونہال ساتھیو! ہمارے اس عظیم دوست کو کئی ایوارڈ بھی ملے، جن میں ستارۂ امتیاز، صادق دوست ایوارڈ، بوعلی سینا انعام، عالمی ادارۂ صحت کی طرف سے انسداد تمباکو ایوارڈ، اسلامک میڈیسن ایوارڈ اور دیگر بے شمار ایوارڈ، انعامات و تعریفی اسناد وغیرہ تو اتنے ہیں جن کا شمار ہی نہیں۔

ہمدرد صرف ان کے ادارے کا نام نہیں، بلکہ ان کا اپنا نام اور پہچان بن چکا ہے۔

دوستو! آپ نے سعید ملت کی زندگی کے چند واقعات پڑھے۔ کیا آپ ان سے فائدہ اُٹھانا چاہیں گے؟ اور ہاں، ہمارے اس عظیم دوست نے وطن عزیز کے تمام بچوں کو ایک پیغام دیا ہے، چھوٹا سا، دو لفظوں کا پیغام، مگر مکمل اور جامع پیغام، آپ بھی پڑھیے اور عمل کیجیے۔ پیغام ہے: **''جاگو جگاؤ۔''**

☆

ہارون رشید اور امام مالک

شہید حکیم محمد سعید
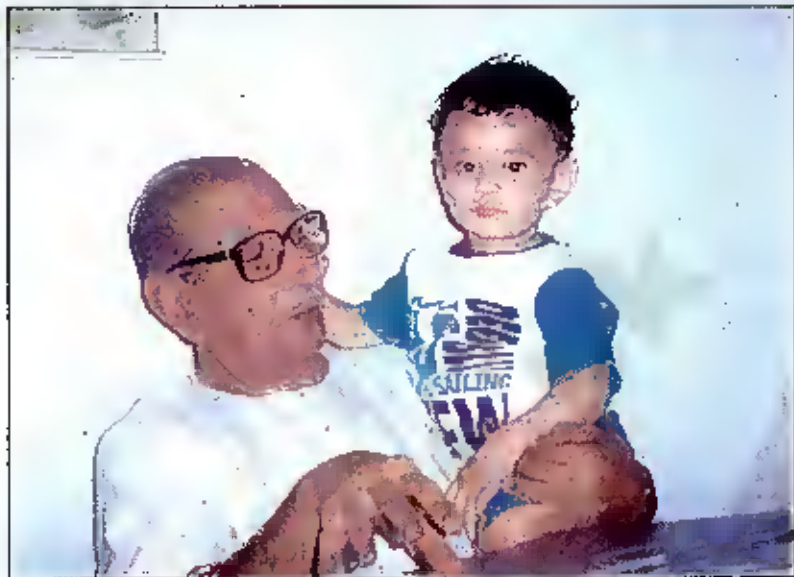
نونہالو! اُستاد کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے۔ اب میں تم کو ایک واقعہ سناتا ہوں، ذرا غور سے سننا۔

ہارون الرشید عباسی خاندان کا ایک جلیل القدر (بہت بڑا) حکمراں تھا۔ اس نے عراق میں بہت بڑے بڑے علمی کام کیے ہیں۔ ایک بار وہ حج بیت اللہ کے لیے گیا۔ اس کے ساتھ اس کے دونوں بیٹے امین اور مامون الرشید بھی تھے۔ سب نے حج کی سعادت حاصل کی۔

ان ہی دنوں اسلام کے ایک بہت بڑے عالم تھے حضرت محترم امام مالک رحمت اللہ علیہ۔

خلیفہ ہارون الرشید حج کے بعد اللہ تعالیٰ سے قربت محسوس کرتا تھا۔ دل میں خواہش ہوئی کہ امام مالکؒ کے علم سے فائدہ اُٹھاؤں۔ اس نے امام مالکؒ سے درخواست کی کہ آپ تشریف لا کر مجھے حدیث شریف کا درس دیں۔

نونہالو! امام مالکؒ نے فرمایا: ''ہارون الرشید! یہ علم تیرے ہی خاندان سے نکلا ہے۔ اب تجھے اختیار ہے کہ اسے عزت دے یا اس کی تذلیل اور اہانت کرے۔''

یہ جواب سن کر ہارون الرشید نے معذرت چاہی اور کہا کہ میں خود حاضر ہو کر آپ کے درس میں شریک ہوں گا۔ دوسرے دن اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ امام مالکؒ کے مدرسے پہنچ گیا۔ وہاں جا کر دیکھا تو حضرت امام مالکؒ مسندِ درس پر تشریف فرما ہیں۔ درس حدیث دے رہے ہیں اور ان کے اردگرد شاگردوں کا ایک ہجوم ہے۔ عام لوگ بھی ہیں اور درس سن رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر خلیفہ ہارون الرشید گھبرایا۔ درخواست گزار ہوا: ''حضرت محترم، استاد معظم! آپ ان سب لوگوں کو یہاں سے رخصت دے دیں تاکہ میں نہایت اطمینان سے آپ کی تقریر سن سکوں اور فائدہ اُٹھا سکوں۔''

حضرت امام مالکؒ نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں۔ سب انسان واجب الاحترام ہیں۔ میں یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ کسی کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درس سے محروم کردوں۔''

یہ جواب سن کر خلیفہ ہارون الرشید خاموش ہوگیا۔ مشکل سے اس ہجوم میں جگہ بناتا اور گزرتا مسندِ درس پر جا کر بیٹھ گیا، تاکہ اسے امتیازی شان حاصل ہو۔

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: ''ہارون الرشید! یہ تختِ شاہی نہیں ہے۔ یہ مسندِ درس ہے۔ اس مسندِ درس پر تیرا بیٹھنا زیب نہیں دیتا۔''

نونہالو! یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید، شاہِ عراق، خاموشی سے نیچے اُتر آیا اور عام آدمیوں میں آ کر بیٹھ گیا۔ امام مالکؒ کے درس سے فیض یاب ہوا۔

جب خلیفہ ہارون الرشید بغداد واپس جانے لگا تو اس نے حضرت امام مالکؒ سے ادب کے ساتھ درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ بغداد تشریف لے چلیں، تاکہ میں اور میرے بیٹے آپ کے علم و حکمت سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

نونہالو! یہ سن کر حضرت امام مالکؒ نے جواب دیا: ''اے ہارون الرشید! اگر میں تجھے راضی کرنے کی کوشش کروں گا تو اپنے اس طرزِ عمل سے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دوں گا۔ اگر میں تجھے تعلیم دینے کے لیے تیرے ساتھ چلوں گا تو ہزاروں لوگ تعلیم سے محروم ہو جائیں گے۔ اگر تُو علم حاصل کرنا چاہتا ہے تو میرے حلقۂ درس میں شریک ہو جا۔''

نونہالو! تم نے دیکھا عالم کا مقام۔ تم نے دیکھا اُستاد کا رُتبہ۔ حضرت امام مالکؒ نے اُستاد کا مرتبہ گرنے نہیں دیا۔ اُستاد نے خلیفۂ وقت کی حیثیت کی کوئی پروا نہیں کی۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

بلا عنوان انعامی کہانی

سمعیہ غفار میمن

''فوری ضرورت ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی۔ عمر کی کوئی قید نہیں۔ عہدے کا تعین قابلیت کے مطابق کیا جائے گا۔ اچھی تنخواہ کے ساتھ، دیگر سہولیات اور مراعات دی جائیں گی۔ ہر تین ماہ بعد ترقی اور بونس بھی دیے جائیں گے، الاؤنسز اس کے علاوہ ہوں گے۔ سنہری مستقبل کے خواہش مند نوجوان فوراً رابطہ کریں۔''

اگلے دن میں نے تفصیل معلوم کرنے کے لیے اشتہار کے نیچے درج نمبر پر فون کیا: ''ہیلو، السلام علیکم، کل آپ لوگوں نے اخبار میں ''فوری ضرورت ہے'' کا اشتہار دیا تھا۔ مجھے اسی سلسلے میں معلوم کرنا ہے کہ انٹرویو کب ہیں؟''

"جی ہاں بالکل ۔ انٹرویو تو ہو رہے ہیں ۔ آپ ایسا کریں کہ پتا لکھ لیں اور کل ہی انٹرویو کے لیے تشریف لے آئیں ۔" پھر دفتر کا پتا سمجھا کر فون بند کر دیا ۔ دفتر شہر کے سب سے بڑے اور مصروف علاقے میں واقع تھا اور وہاں اکثر میرا آنا جانا بھی لگا رہتا تھا ۔

میں نے اپنا سب سے اچھا سوٹ نکالا اور تیار ہو کر دفتر پر پہنچ گیا ۔ دفتر عمارت کی ساتویں منزل پر تھا ۔ میں لفٹ کے ذریعے وہاں پہنچا اور شیشے کا دروازہ کھول کر دفتر کے اندر داخل ہو گیا ۔ استقبالیہ کاؤنٹر پر ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود تھے ۔ دونوں نے بہت اچھے کپڑے پہن رکھے تھے اور ان کی انگریزی سن کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دونوں اچھے خاصے تعلیم یافتہ بھی ہیں ۔

"ایکسکیوزمی! مجھے انٹرویو کے لیے بلایا گیا ہے ۔" میں نے استقبالیہ کاؤنٹر پر پہنچ کر کہا ۔

"آپ کا نام؟" لڑکی نے رجسٹر میں میرا نام درج کیا اور ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے مجھے اندر جانے کو کہا ۔

میں اس دروازے میں داخل ہو گیا ۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا ۔ میں اندر داخل ہوا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اتنا بڑا ہال اور وہ بھی کھچا کھچ لوگوں سے بھرا ہوا ۔

مجھے یوں لگا جیسے یہ نوکری مجھے نہیں ملے گی ، جہاں اتنے سارے اُمیدوار ہوں اور وہ بھی ایک سے بڑھ کر ایک تو بھلا مجھے کیسے یہ نوکری مل سکتی ہے ۔ میں ہجوم کو ایک نظر دیکھتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا ۔ اس دفتر کا تمام فرنیچر اور سجاوٹ اعلا درجے کی تھی ۔ خدا خدا

کر کے مجھے انٹرویو کے لیے اندر بلایا گیا۔ میں نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور اندر داخل ہو کر وہاں موجود لوگوں کو سلام کیا۔ انٹرویو کمیٹی پانچ ارکان پر مشتمل تھی۔ ان میں سے ایک نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کمیٹی کے ارکان نے مجھ سے باری باری سوالات کیے۔ سوالات زیادہ تر انسانی نفسیات سے متعلق تھے۔

''اب آپ جا سکتے ہیں، دوسرے انٹرویو کے لیے آپ کو فون کر کے بلایا جائے گا۔'' کمیٹی کے ایک ممبر نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

ایک ہفتے تک ان کے فون کا انتظار کرنے کے بعد نا امید ہو کر میں پھر اخبار میں ضرورت ہے کے اشتہار دیکھنے لگا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے فون کان سے لگایا تو دوسری طرف سے آواز آئی: ''آپ انٹرویو میں پاس ہو گئے ہیں، کل آپ کو دوسرے

انٹرویو کے لیے بلایا گیا ہے۔"

فون سن کر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں نے نیا تھری پیس سوٹ اور نئے جوتے پہنے اور تیار ہو کر مقررہ تاریخ کو انٹرویو دینے کے لیے دفتر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر مجھے پھر وہی منظر دیکھنے کو ملا، یعنی اس دوسرے انٹرویو میں بھی بہت سارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اچھے اچھے لباس پہنے ہاتھوں میں اپنی اپنی ڈگریاں پکڑے، دفتر میں پہلے سے موجود تھے۔

میں صوفے پر بیٹھ کر اپنی باری کا انتظار کرنے لگا اور دل ہی دل میں اپنی کامیابی کے لیے دعائیں مانگنے لگا۔ کچھ اُمیدواروں کے بعد آخر میری باری آ گئی۔ میں نے اپنے ماتھے سے پسینا صاف کیا اور کمرے کے اندر داخل ہو کر سلام کیا۔ باس کا منھ دوسری طرف تھا۔ میری آواز سن کر انھوں نے کرسی گھمائی اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ یہ تھری پیس سوٹ پہنے ادھیڑ عمر کے ایک شخص تھے۔ سوالات کا سلسلہ شروع ہوا۔ سوالات زیادہ مشکل نہیں تھے۔ بس اِدھر اُدھر کے عام سے سوالات تھے۔ خاص طور پر اسٹیج، ڈراما اور فلموں کے متعلق پوچھا، پھر اتنا کہہ کر مجھے جانے کو کہا کہ چند روز کے بعد آپ کو فون کر کے ٹریننگ کے لیے بلایا جائے گا۔

ایک روز شام کو میں دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک کمپنی سے فون آیا اور مجھے ٹریننگ کے لئے وقت اور جگہ کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا گیا۔ ٹریننگ تین ہفتے کی تھی، پہلا ہفتہ کراچی میں، دوسرا ہفتہ اسلام آباد میں اور تیسرا ہفتہ ملک سے باہر۔ یہ خبر سن کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ میں ہوا میں اُڑنے لگا۔ میرے پاؤں تو زمین پر ہی نہیں ٹک رہے تھے۔ دوستوں نے مجھے مبارک باد دی اور دعوت کا مطالبہ کیا۔ میں نے اِدھر اُدھر سے بڑی رقم اُدھار لی اور اپنے سب دوستوں کو دعوت کے ساتھ ساتھ

پورے محلے میں مٹھائی بھی تقسیم کی۔

مقررہ تاریخ کو میں صبح صبح ہی اٹھ گیا اور جانے کے لیے تیار ہونے لگا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے رات بھر نیند ہی نہیں آسکی تھی۔ آخر میں ٹریننگ کے لئے مطلوبہ جگہ پہنچ گیا۔ اب میں ایک انتہائی خوب صورت اور شان دار عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔ عمارت کے گیٹ پر بڑی بڑی مونچھوں والا چوکیدار کمر میں پستول لگائے موجود تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی کھڑکی میں ایک آدمی آنے والے ہر اُمیدوار کا نام اور نمبر رجسٹر میں درج کرتا اور ایک شناختی کارڈ دے کر اسے عمارت کے اندر بھیج دیتا۔ میں نے اپنا کارڈ گلے میں لٹکایا اور اندر داخل ہو گیا۔ میں عمارت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فرش سے لے کر دیواروں تک ٹائلیں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ عمارت کی اندرونی سجاوٹ خوب صورت انداز کی تھی۔ ایک بڑے سے ہال میں اُمیدواروں کے بیٹھنے کا مناسب انتظام کیا گیا تھا۔ سب کے چہروں پر خوشی واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔ تھوڑی دیر میں ایک ادھیڑ عمر شخص ہال میں داخل ہوا اور ڈائس پر آ کر کہا:

''میرا نام پروفیسر نفیس ہے اور میں یہاں آپ جیسے قابل اور ہونہار نوجوانوں کو ٹریننگ دینے پر مامور ہوں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ لوگ میرے تجربے اور مشاہدے سے ضرور فائدہ اُٹھائیں گے۔ آپ کی ٹریننگ تین حصوں پر مشتمل ہے اور آج آپ کی ٹریننگ کے پہلے حصے کا پہلا دن ہے۔'' اس شخص نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنے لیکچر کا آغاز کیا اور روانی کے ساتھ بولتے ہوئے دوپہر کے کھانے کے وقت تک لیکچر دیتے رہے۔

''دوپہر کا وقت ہو گیا ہے۔ اب آپ لوگ جا کر کھانا کھا لیں اور کھانے کے بعد اپنے اپنے یونی فارم پہن کر آیئے گا۔ میں بھی آپ کو اپنے یونی فارم میں ملوں گا اور ہاں

یونی فارم سامنے والے کمرے سے ملیں گی۔'' پروفیسر صاحب ہال سے باہر نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی تمام اُمیدوار ڈائننگ ہال میں پہنچ گئے۔ کھانے کی بھینی بھینی خوشبو نے سب کی بھوک میں اضافہ کر دیا۔ کھانا بہت لذیذ تھا۔ مختلف قسم کے کھانے موجود تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب اُمیدوار یونی فارم سینٹر پہنچے، جو ڈائننگ ہال کے بالکل سامنے تھا۔ تمام اُمیدواروں کو ایک قطار میں کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا، تاکہ کسی قسم کی کوئی بے قاعدگی نہ ہو سکے۔

تمام اُمیدواروں کو ان کا نام اور شناختی نمبر درج کرنے کے بعد پلاسٹک کا ایک ایک تھیلا دیا گیا، جو سیل پیک تھا۔ اس میں یونی فارم کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ سب اُمیدوار اپنا اپنا یونی فارم پہننے کے لیے بے تاب تھے۔ اُمیدوار بہت زیادہ اور چینجنگ روم (کپڑے تبدیل کرنے کا کمرا) کم تھے، لہٰذا باہر اُمیدواروں کا تانتا بندھ گیا۔ میں بھی اپنے یونی فارم کا تھیلا ہاتھ میں پکڑے وہیں کھڑا کمرا خالی ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

ایک اُمیدوار نے چینجنگ روم سے باہر نکل کر مجھ سے کہا: ''جائیے کمرا خالی ہے۔'' باہر آنے والے نوجوان کو میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرت سے دیکھنے لگا۔ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھاتا ہوا محسوس ہوا۔ شاید میرے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ حقیقت ہے یا کوئی بھیانک خواب۔ یونی فارم میں ملبوس اُمیدوار میلی کچیلی ٹوپی سر پر رکھتے ہوئے باہر جانے کے لیے مڑا۔

''معاف کیجیے۔'' میں نے لرزتی ہوئی آواز سے اسے روکا۔

''جی فرمائیے۔'' اس نے میری طرف منھ کر کے جواب دیا۔

''یہ...... یہ کیا ہے۔'' میں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔

''یہ یونی فارم ہے اور کیا ہے؟ کیا آپ نے اپنا یونی فارم کھول کر نہیں دیکھا؟''
اس نے میرے تھیلے کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''یونی فارم؟ یہ کس قسم کا یونیفارم ہے؟'' میں حیران بھی تھا اور پریشان بھی۔

''ہم لوگ جس شعبے سے وابستہ ہو گئے ہیں، اس میں ایسا ہی یونی فارم چلے گا۔ ویسے کیا خرابی ہے اس یونی فارم میں، اچھا خاصا تو ہے۔'' اس نے یونی فارم ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب کون سا شعبہ؟'' اس کے ایک کے بعد ایک انکشافات سے میرا سر چکرانے لگا۔

''لگتا ہے آپ کو جو کارڈ دیا گیا تھا، وہ آپ نے ٹھیک سے نہیں پڑھا' کارڈ کو تو چھوڑ دیں مجھے تو لگتا ہے کہ آپ نے اشتہار بھی ٹھیک سے نہیں پڑھا۔ اگر پڑھا ہوتا تو آپ اس طرح مجھ سے سوالات نہ کرتے'' اس نے مجھے کم علمی کا طعنہ دیا۔

''کارڈ!'' میں حیرت کے سمندر میں غوطے لگا تا رہا۔

''میں چلتا ہوں پروفیسر صاحب ہال میں جا رہے ہیں۔ باقی باتیں بعد میں کریں گے، میں لیکچر چھوڑنا نہیں چاہتا۔ آپ بھی یونی فارم تبدیل کر کے ہال میں آ جائیں۔'' اس نے اپنا سامان اُٹھایا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ میں نے بھی اپنا رخ دروازے کی طرف کر لیا۔ شیشے کے دروازے سے باہر کا منظر صاف صاف دکھائی دے رہا تھا۔ باہر گہما گہمی ہو رہی تھی۔ اسی وقت میری نظر پروفیسر صاحب پر پڑی۔ وہ بھی اسی طرح کا یونی فارم پہنے ہوئے تھے، جیسا اُمیدواروں کو دیا گیا تھا۔ ان کے پیچھے پیچھے اُمیدواروں کا ایک بہت بڑا سیلاب بھی ہال کی جانب رواں دواں تھا۔ سب نے یونی فارم پہن رکھے تھے اور خوشی

ان کے چہروں سے عیاں تھی۔ میں نے خود کو سنبھالا اور کانپتے ہاتھوں سے اپنے ایدھی فارم کا پلاسٹک والا تھیلا کھولا اور تھیلے کے اندر سے جو سامان برآمد ہوا اسے دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ تھیلے میں سے بڑے بڑے موتیوں سے پروئی ہوئی ایک عدد مالا، کپڑے کی ایک ٹوپی، ایک میلا سا جبا جس میں جگہ جگہ پیوندکاری کی ہوئی تھی، ایک ٹوٹی ہوئی چپل کی جوڑی، جس کے تلے گھسے ہوئے تھے اور ایک کشکول نکلا۔ میں نے ایک ایک کر کے تمام چیزیں تھیلے سے باہر نکالیں اور وہیں زمین پر ڈھیر لگاتا چلا گیا۔ مجھے اپنے آپ پر بہت غصہ آ رہا تھا، پھر میں نے اپنے گلے میں لٹکے ہوئے کارڈ کو دیوانوں کی طرح دیکھنا شروع کر دیا۔ کارڈ کے ایک طرف میرا نام، کارڈ نمبر، موبائل نمبر، ای میل ایڈریس اور پتا وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے۔ آخر میں بھکاری ڈپارٹمنٹ کے سربراہ کے دستخط بھی تھے۔ میں نے کارڈ کو گھما کر دیکھا تو اس طرف انگریزی میں لکھا تھا" بھکاری برادرز اینڈ کمپنی" یہ عبارت ایک دائرے کی شکل میں درج تھی، جس کے درمیان میں ایک کشکول بنا ہوا تھا۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ 77 پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸-اکتوبر ۲۰۱۴ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تا کہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔

نوٹ: ادارہ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

اجو اور فجو

ادیب سمیع چمن

اجو ، فجو دو تھے بھائی
جو کرتے تھے روز لڑائی

اس نے مارا ، اس نے پیٹا
ہر پل کرتے ہاتھا پائی

چھوڑ کے اپنا لکھنا پڑھنا
کام تھا اُن کا روز جھگڑنا

تم نے میرا انڈا کھایا
تم نے کیوں تھا ہاتھ لگایا؟

ماں نے ایک دن پاس بلایا
پیار سے دونوں کو سمجھایا

تم دونوں ہو میری دنیا
تم ہو ایک دوجے کے بھائی

بُری بات ہے دیکھو لڑنا
اچھا ہوتا نہیں جھگڑنا

دنیا میں ایسے لوگوں کی
ہوتی ہے ہر پل رسوائی

دونوں نے پھر توبہ کر لی
ایک دوسرے سے دوستی کر لی

اچھے بچے بن گئے دونوں
کرتے ہیں وہ چمن! پڑھائی

اجو ، فجو دونوں بھائی!
کھاتے ہیں اب دودھ ملائی

مسجد طوبیٰ

رانا محمد شاہد

مسجد ایک ایسی مقدس جگہ ہے، جہاں مسلمان مل کر بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کرتے ہیں۔ ایک ایسی جگہ جو دنیا کو مسلمانوں کی یکجہتی و باہمی محبت کا پیغام دیتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں مسجد کا اولین اور اہم ترین مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا شکر ادا کرنا ہے۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے: "بے شک اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھ سکتا ہے، جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور جو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔"

مسجد کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ عبادت گاہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسے درس گاہ کا مقام بھی حاصل ہے۔

دنیا میں خوش نما، منفرد و ممتاز اور وسیع و عریض مسجدوں کی کوئی کمی نہیں۔ پاکستان کے ایک بڑے شہر کراچی میں بھی سیکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں خوب صورت مساجد ہیں۔ یہاں ہم کراچی میں تعمیر کی گئی مسجد طوبیٰ کا ذکر کریں گے۔ عام طور پر اسے گول مسجد کہا جاتا ہے۔

مخصوص طرزِ تعمیر اور جدید زیب و زینت کے اعتبار سے یہ کراچی ہی نہیں، بلکہ ملک بھر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ بے ستون گنبد اس کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ دور دراز سے آنے والے لوگ اس مسجد کو دیکھ کر اس منفرد شاہکار کی تعریف کیے بنا نہیں رہتے۔ جب اس کی گول فلک نما چھت پر نظر پڑتی ہے تو دیکھنے والے اسے چھوٹا آسمان تصور کر لیتے ہیں۔

یہ خوب صورت مسجد اپنی وسعت، کشش، کشادگی اور اعلا ترین تعمیراتی خصوصیات

کی وجہ سے عالم اسلام میں بے مثال ہے۔ دنیا بھر سے لوگ اس شاہکار کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں اور حیرت سے اس بے ستون یادگار نمونے کو دیکھتے رہتے ہیں۔ مسجد کی اس خصوصیت، بلکہ شاہکار طرزِ تعمیر پر بے اختیار فن کار کی تخلیق کو داد دینے کو دل چاہتا ہے۔

اس بے مثال مسجد طوبیٰ کی تعمیر ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کی زیرِ نگرانی عمل میں آئی۔ اس مسجد کی تعمیر کا آغاز ستمبر ۱۹۶۶ء میں ہوا اور تین سال بعد ۷ نومبر ۱۹۶۹ء کو اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ مسجد کا خوب صورت اور اچھوتا ڈیزائن ڈاکٹر بابر حمید (چارٹرڈ آرکیٹیکٹ) نے تیار کیا۔ مسجد طوبیٰ کا کل رقبہ ۵۵۰۷ مربع گز، فلک نما گول تعمیر شدہ گنبد کا رقبہ ۳۵۳۱۲ مربع فیٹ ہے۔ اتنا بڑا گنبد کسی اور مسجد کا نہیں ہے۔ اس بے ستون گنبد کی اونچائی ۵۱۲۸ فیٹ اور قطر ۲۱۲ فیٹ ہے۔ چھت ستاروں کی مانند جھلمل کرتے شیشوں سے سجی ہوئی ہے۔ ان شیشوں کی تعداد ستر ہزار کے قریب ہے۔ مسجد کے اندر دیواروں پر سنگ مرمر کی ٹکڑیوں کی تعداد ساڑھے سات لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ شیشے اور سنگ مرمر کی یہ چمکتی ہوئی ٹکڑیاں ایک دل کش نظارہ پیش کرتی ہیں۔

تعمیر شدہ گنبد میں اندر جانے کے لیے سولہ دروازے ہیں، جنھیں گول شکل میں بالکل گنبد کی طرح بنایا گیا ہے۔ نمازیوں کے لیے ۲۶ صفوں کی جگہ ہے۔ جوتے رکھنے کے لیے لکڑی کے بکس جگہ جگہ رکھے ہوئے ہیں۔ لیڈیوں کے لیے بھی جگہ مخصوص ہے۔

مسجد کے گنبد تلے نمازیوں کی گنجائش پانچ ہزار ہے، جب کہ چبوترے پر تین ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیرونی کھلے حصے پر بائیس ہزار نمازی آ سکتے ہیں۔ مسجد طوبیٰ کے اندر بیٹھ کر عجیب سا سکون اور اطمینان کی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ فرش پر پاؤں یا ہاتھ زور سے

ماریں تو چھت میں کھڑ کھڑ کی گونج دار آواز سنائی دیتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے گویا آسمان پر بادل گرج رہے ہیں۔

مسجد طوبیٰ کی تعمیر میں تقریباً تین سال لگے۔ کچھ لوگوں کے نزدیک اگر اس بے ستون اور پُر سکون گنبد کے بیچ میں کوئی فانوس ہوتا تو مسجد کے حسن کو دوبالا کر دیتا۔ مسجد طوبیٰ کا صرف ایک مینار ہے، جس کی اونچائی ۱۲۰ فیٹ ہے۔ مسجد کے بالائی حصے تک جانے کے لیے بل کھاتی سیڑھیاں ہیں۔ عموماً مسجد کا بالائی دروازہ بند ہی رہتا ہے۔

مسجد کا ایک خوب صورت حصہ اس کا کشادہ رقبہ ہے۔ جہاں مختلف درخت، پھول، کیاریاں، فوارے اتنے بھلے لگتے ہیں کہ ایک دل کش و مسحور کن باغ کا گمان ہوتا ہے۔ وضو خانے کی ٹونٹیاں مخصوص طرز کی ہیں۔

سیر و تفریح کے لیے کراچی آنے والا شخص جہاں مزار قائد، کلفٹن، چڑیا گھر، سفاری پارک اور ہاکس بے جیسی تفریح گاہوں سے محظوظ ہوتا ہے، وہیں اسے ملک کی سب سے بڑی بے ستون گنبد والی نادر مسجد کی زیارت کے لیے بھی ضرور آنا چاہیے۔ ☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۶۰ روپے (رجسٹری سے ۵۰۰ روپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن یاد رکھیں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے گم بھی ہو جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکٹھے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

بکرے کی ماں

انور فرہاد

میں ایک جوان بکرے کی ماں ہوں اور غم سے نڈھال ہوں۔ بات ہی ایسی تھی۔ جس ماں کے سامنے اس کی جوان اولاد قربان کر دی جائے، اس کے دل پر کیا بیتتی ہے، یہ وہی جانتا ہے یا پھر اس کا خدا جانتا ہے۔ دوسری طرف گھر کے سارے لوگ بے حد خوش تھے۔

''بھئی! کہنے کو تو بکرا تھا، مگر کسی بچھڑے سے کم نہیں تھا۔''

''ہاں...... اٹھارہ بیس کلو سے کم گوشت نہیں نکلے گا۔''

میرے کانوں تک گھر والوں کی اسی قسم کی باتیں پہنچ رہی تھیں۔ ان کی باتوں سے توجہ ہٹانے کے لیے میں نے اپنے بیٹے کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا: ''آج اگر وہ اس حال کو پہنچا ہے تو اس میں خود اس کا بھی قصور ہے۔ میں کتنا منع کرتی تھی کہ بیٹا! کھانے پینے میں احتیاط برتو۔ پیٹ کا ایک حصہ خالی رکھ کر کھایا کرو، مگر وہ میری باتوں کو ہوا میں اڑا دیا کرتا تھا۔''

مجھے یاد آیا کہ بیٹا اکثر کہتا تھا: ''ماں! تم تو انسانوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ کھانے پینے میں انسانوں کا احتیاط برتنا تو ٹھیک ہے، مگر ہم ٹھیرے جانور، ہمیں اپنی ضرورت اور اپنی خواہش کے مطابق کھانے پینے کو ملتا ہی کب ہے؟ جب ملتا ہے تو پیٹ بھر کر کھانے سے کیوں روکتی ہو؟''

وہ میری سنتا ہی کب تھا۔ بچے بڑے بوڑھوں کے تجربے اور دانائی کو کب خاطر میں

لاتے ہیں۔ وہ بھی من مانی کرتا رہا۔ خوب کھاتا رہا، خوب جان بناتا رہا۔ کھانے کے چسکے میں بھائی، بہنوں کے حصے پر بھی ہاتھ صاف کرتا رہا...... اور پھر وہی ہوا، جس کا مجھے ڈر تھا۔ بڑی عید آئی تو گھر والوں کی نظرِ انتخاب اسی پر پڑی۔

کسی نے کہا: ''بس اس سے بہتر قربانی کا جانور اس سال اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

بیٹے نے بڑی بے بسی سے میری طرف دیکھا تھا، اسی لیے تو میں اسے زیادہ کھانے سے منع کرتی تھی، مگر یہ وجہ میں اس سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ غم کے مارے میری تو جیسے آواز ہی بند ہو گئی تھی۔ آنسوؤں کا ایک ریلا آیا تھا اور میری نظروں کے آگے بکرے کا سراپا دھندلا کر رہ گیا تھا۔

آج صبح جب گھر والے عید گاہ سے عید کی نماز پڑھ کر آئے اور رسی، چھری اور بغدے کے ساتھ قربانی کی تیاری شروع کی تو میرا جی چاہا کہ چیخ چیخ کر رونا پیٹنا شروع کر دوں...... مگر ہائے رے مجبوری کہ مجھ سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ آج عید کا دن ہونے کی وجہ سے میں گھر والوں کی خوشیوں کے رنگ میں بھنگ نہیں گھول سکتی تھی۔ آج کا دن بھی بڑا عجیب ہے۔ میرے لختِ جگر کے گلے پر چھری پھیرنے والے خوشی سے پھولے نہیں سما رہے ہیں، کیوں کہ وہ بڑے ثواب کا کام کر رہے ہیں۔ جب میرے جوان بیٹے کے ہاتھ پیر باندھ کر گھر والوں نے اسے پچھاڑا تھا اور اس کے گلے پر چھری رکھی تھی تو اس نے ''ماں'' کہہ کر مجھے مدد کے لیے پکارا تھا۔ میں تڑپ کر رہ گئی تھی۔ میرا کلیجہ منھ کو آ گیا تھا۔ مگر میں کیا کر سکتی تھی؟ میں اس کی مدد کے لیے نہ جا سکی۔ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔ شاید غم کی شدت نے مجھے پتھر بنا دیا تھا۔ بس میں نے آنکھیں موند لی تھیں۔ جانے کتنی دیر تک میں اس

حالت میں رہی، مجھے کچھ اندازہ نہیں۔ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا، اس کی کھال اُتاری جا رہی ہے۔ میں نے اپنے آپ پر لعنت بھیجی کہ میں نے آنکھیں کیوں کھولیں۔ کاش! میری آنکھیں اسی طرح بند رہتیں یا ہمیشہ کے لیے اندھی ہو جاتیں تو مجھے یہ منظر دیکھنا نہ پڑتا، مگر میرے سوچنے سے کیا ہوتا ہے؟ جو نصیب میں ہوتا ہے، اسے دیکھنا ہی پڑتا ہے۔

وقت کسی مرہم سے کم نہیں ہوتا۔ گزرتے ہوئے وقت نے میرے دل کے زخموں کو بھی آہستہ آہستہ بھر دیا اور وہ اپنے دیگر بچوں کے ساتھ معمول کی زندگی بسر کرنے لگی۔ وقت کا پہیا گھومتا رہا اور ایک بار پھر بقر عید کا مہینا آ گیا۔ مجھے تو اس وقت احساس ہوا جب گھر والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عید پر میرے دو بیٹوں کو قربان کریں گے۔ وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں بیٹے زیادہ تگڑے نہیں تھے۔ دونوں مل کر بھی اپنے بڑے بھائی کے وزن سے کم ہی تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ یہ دونوں اپنے بھائی کی طرح زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ شاید بھائی کے زیادہ کھانے اور موٹاپے کا انجام دیکھ کر ان کی بھوک مر گئی تھی، جس کے بعد وہ آدھے پیٹ کھانے کے عادی ہو گئے تھے، مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ہونے والی بات کو کون ٹال سکتا ہے۔ گھر والوں نے اس بار ان دونوں کی قربانی کا ارادہ کر لیا۔ میرا وہ زخم جو بھر گیا تھا، ایک بار پھر ہرا ہو گیا۔ اس بار ایک نہیں اس کے دو جگر گوشے اس سے جدا ہونے والے تھے۔ وہ اس سوچ میں گم ہو گئی کہ ہم اس قدر بے بس کیوں ہیں؟ ہمیں پالنے والے جب چاہتے ہیں، ہمارے گلے پر چھری پھیر دیتے ہیں۔

سوچتے سوچتے میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اس میں قصور ان کا کم اور ہمارا زیادہ ہے۔ ہم اپنے پیٹ کی خاطر انسانوں کے فرماں بردار بن جاتے ہیں، یعنی اپنے جینے مرنے کا

اختیار انھیں دے دیتے ہیں۔ اگر ہم آزاد ہوتے اور اپنی روزی خود کما کر کھاتے تو اتنی آسانی سے کوئی ہمارے گلے پر چھری نہیں پھیر سکتا تھا۔

بہر حال اس سوچ اور فکر کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ عید قرباں کے دن میرے دونوں بیٹوں کی قربانی دے دی گئی۔ میں ایک بار پھر کلیجا تھام کر رہ گئی۔ میں اور کر بھی کیا سکتی تھی؟ انگاروں پر لوٹنے اور آنسو بہانے کے علاوہ اور میرے بس میں کچھ نہیں تھا۔

زندہ رہنا بھی کتنا مشکل کام ہے۔ میں نے بڑی بے بسی سے سوچا۔ ان صدمات کو سہنے کے بعد بھی دیکھو میں زندہ ہوں، یہ کوئی میرے دل سے پوچھے۔

شاید اس میں اللہ کی کوئی مصلحت تھی، مگر یہ مصلحت میری سمجھ سے باہر تھی۔ میں زندہ تو تھی، مگر مجھ میں اب زندگی کی کوئی حرارت باقی نہیں تھی۔ سب کچھ رک جاتا ہے، لیکن وقت کو پہیا نہیں رکتا ہے۔ میں جس حال میں زندگی کے دن گزار رہی تھی، اس میں مجھے وقت گزرنے کا بھی احساس نہیں تھا کہ ایک بار پھر قربانی کا مہینا آ گیا۔ گھر والے ایک بار پھر قربانی کے سلسلے میں غور و فکر کرنے لگے۔

ایک نے کہا: ''کیا کیا جائے......؟ اس بار تو کوئی بکرا موجود نہیں ہے۔''

دوسری آواز آئی: ''دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ بکرا بازار سے خریدا جائے...... دوسری......''

کسی نے پوچھا: ''دوسری کیا؟''

جواب ملا: ''دوسری بات یہ ہے کہ بکروں کی ماں کو اس کے بیٹوں کے پاس بھیج دیا جائے۔''

''یہ بکری، اب دودھ بھی نہیں دیتی ہے، تو بس اب اس قابل رہ گئی ہے کہ اسے بھی اس کے بیٹوں کے پاس......''

میری سماعت اس قابل نہیں رہی کہ اس کے آگے کچھ اور سن سکوں۔ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس وقت میرے پاس دو بیٹیاں بھی موجود تھیں۔ انھیں مالکوں نے قربانی کے لیے شاید اس لیے نظر انداز کر دیا تھا کہ کچھ دنوں میں وہ دودھ دینے لگیں گی۔ میں نے ایک لمبی ٹھنڈی سانس لے کر سوچا: ''کاش! میری ان بیٹیوں کی جگہ میرے دو جوان بیٹے اور ہوتے۔'' ☆
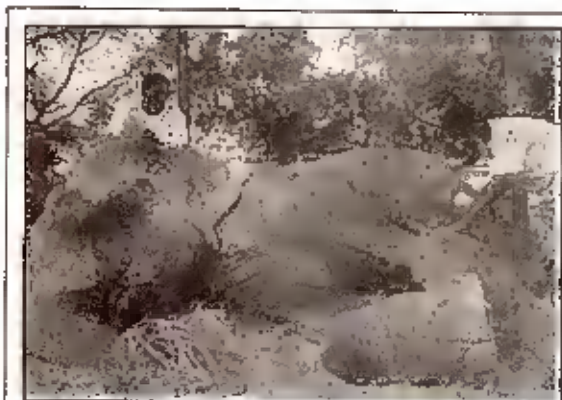
ہاتھی رونے لگا

بھارت میں ایک انوکھا واقعہ پیش آیا، جب پچاس برس بعد قید اور ظلم و ستم سے رہائی پانے کے بعد راجو نامی ہاتھی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ہاتھی کی آزادی اس وقت ممکن ہوئی جب ایک برطانوی تنظیم کو اطلاع ملی کہ بھارت کی ریاست اتر پردیش میں راجو نام کا ایک ہاتھی پچھلے پچاس برس سے زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اور بیماری، کمزوری اور زخموں کی وجہ سے موت کے قریب ہے۔ ہاتھی کا مالک اسے باقاعدہ مارتا اور ہاتھی کو اپنی سونڈ راہگیروں کے سامنے پھیلا کر چند سکے مانگنے پر مجبور کرتا ہے۔ مقامی پولیس اور برطانوی ٹیم کے اراکین کی موجودگی میں جب ہاتھی کو زنجیروں سے آزادی دلائی گئی تو یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے کہ اس دوران ہاتھی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ آزادی ایک ایسی نعمت ہے، جس کی قدر سے جانور بھی واقف ہیں۔ ☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

بھائی کی امانت

سیف خلیل الرحمن

کرمو آٹھویں جماعت کا ایک ہونہار طالب علم تھا، جو اس چھوٹے سے قصبے رتن آباد میں اپنے ماں باپ اور بوڑھے دادا کے ساتھ رہتا تھا۔ پچھلے دو سال تک تو کرمو کی زندگی ہر فکر سے آزاد تھی۔ اس کا باپ فضل الٰہی ایک محنتی کسان تھا۔ ماں نور بانو ایک خوش اخلاق گھریلو خاتون تھی۔ کرمو بچپن سے ہی اپنے بوڑھے دادا سے بہت مانوس تھا، جنھیں پورے گاؤں کے لوگ بابو میاں کہتے تھے۔ بابو میاں اکثر کرمو کو اپنے ماضی کے قصے سنایا کرتے تھے، قیام پاکستان کے دوران ہجرت اور رشتے داروں سے بچھڑنا سب کرمو کو یوں لگتا جیسے ماضی کے واقعات کی ایک فلم اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہی ہے۔

بابو میاں کی باتوں میں اکثر بی اماں کا ذکر ہوتا تھا۔ وہ بابو میاں کی چھوٹی بہن تھی، جسے خاندان کے سب لوگ پیار سے بی اماں کہتے تھے۔ ہجرت کے وقت بابو میاں اپنے ماں باپ اور بہن سے بچھڑ کر غلام بخش نامی ایک نیک دل درزی کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ درزی نے نو سالہ بابو میاں کو اپنا بیٹا بنا کر پالا تھا اور اپنے خاندان میں شادی کر دی۔ بابو میاں اکثر اپنے پوتے کرمو کو بی اماں کی صندوقچی کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ فسادات کے دوران ان کے والدین نے گھر میں موجود سارا زیور اس گڑیا کی صندوقچی میں چھپا دیا تھا، جو بی اماں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتی تھی۔ اس صندوقچی کے اندر ایک خفیہ خانہ تھا، جس کے بارے میں بابو میاں کی والدہ نے انھیں سونا چھپاتے ہوئے بتایا تھا اور اسے کھولنے کا طریقہ بھی صرف انھی کو بتایا تھا، تاکہ کبھی مشکل وقت پڑنے پر یہ

زیور تم دونوں بہن بھائی کی مدد کرے گا، مگر قسمت کی ستم ظریفی یہ ہوئی کہ سب جدا ہو گئے۔
آج ساٹھ برس گزرنے کے بعد بھی بابو میاں کو اپنی بہن اور اس کی صندوقچی یاد تھی۔ کرمو ان کی یہ بات سن کر پہلے تو بہت ہنسا تھا کہ اب وہ کہاں انھیں مل پائیں گی۔ ویسے بھی وہ ایک خوش حال زندگی گزار رہے تھے، مگر پچھلے سال گاؤں میں آنے والے شدید سیلاب نے کرمو کی زندگی پلٹ کر رکھ دی تھی۔ اسے وہ دن آج بھی یاد تھا جب وہ بابو میاں کی آنکھیں چیک کروانے ماسٹر نظام صاحب کے ساتھ موٹر میں شہر آیا تھا اور واپسی میں اسے ہر طرف پانی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔

اس کے ماں باپ اور ان کی فصلیں سب کچھ سیلاب میں بہ گیا تھا۔ ایسے میں ماسٹر نظام دین نے اسے اور بابو میاں کو شہر میں مقیم اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے کوارٹر میں جگہ دلوا دی تھی۔ کرمو وہاں اپنی پڑھائی کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے گھر کے چھوٹے موٹے کام بھی کرتا تھا۔ بابو میاں ضعیف العمری کی وجہ سے زیادہ تر لیٹے بیٹھے رہتے تھے۔ کرمو ان کا دل بہلانے کے لیے روز شام کے وقت انھیں قریبی پارک میں گھمانے لے جاتا۔ یوں بابو میاں کی پارک میں آنے والے بچوں سے بہت دوستی ہو گئی تھی۔ یوں زندگی پھر سے سکون سے گزرنے لگی۔

ایک دن کرمو اسکول سے واپس آیا تو اس نے دیکھا بابو میاں کمرے میں گھپ اندھیرا کیے ہوئے لیٹے ہیں اور ان کی آنکھوں سے پانی بہ رہا ہے۔

''بابو میاں! بابو میاں! کیا ہوا؟''

''بیٹا! صبح سے آنکھوں میں جلن سی ہو رہی ہے۔'' بابو میاں نے رومال سے

آنکھوں میں آئی ہوئی نمی صاف کرتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی ڈاکٹر صاحب سے پوچھ کر آپ کو آنکھوں کے اسپتال لے جاتا ہوں۔'' کرمو نے انھیں سہارا دے کر اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں بیٹا! تم ابھی اسکول سے آئے ہو، تھوڑی دیر آرام کرلو، پھر چلتے ہیں۔'' مگر کرمو نے اسی وقت ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا تو انھوں نے بابو میاں کو آنکھوں کے بڑے اسپتال لے جانے کے لیے کہا، بلکہ اپنی گاڑی اور ڈرائیور کو ان کے ساتھ بھیجا۔

آنکھوں کے ڈاکٹر نے بابو میاں کی آنکھوں کا معائنہ کرتے ہوئے کرمو کو بتایا کہ ان کی بائیں آنکھ کا موتیا پک گیا ہے۔ آپ انھیں آپریشن کے لیے وارڈ میں داخل کرادیں۔

چار دن بعد کرمو، بابو میاں کو لے کر اسپتال سے نکل رہا تھا کہ بابو میاں نے ٹھٹک کر سامنے آتی ہوئی ایک بوڑھی خاتون کو دیکھا، جو ایک ہاتھ میں لاٹھی اور دوسرے میں سبزی کا تھیلا اُٹھائے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہوئی گزر رہی تھیں۔

کرمو کے پاس پہنچ کر بوڑھی خاتون نے کہا: ''بیٹا! بابا جی کو سڑک پار کروا کر مجھے سامنے والی دکان سے موم بتی لا دو گے؟''

بابو میاں نے چونک کر خاتون کی طرف دیکھا۔ اصل میں انھیں ان خاتون کی آواز اور لہجہ بہت مانوس سا لگ رہا تھا۔ انھوں نے دھیمی آواز میں کرمو سے کہا: ''بیٹا! ان خاتون سے پوچھو کہ کیا ان کی بائیں ہاتھ کی چھنگلی پر تین تل ہیں؟ یا نہیں۔''

کرمو پہلے تو ہچکچایا، مگر بابو میاں کی آنکھوں میں خاموش التجا پر اس نے پوچھا تو وہ خاتون حیرت سے اُچھل پڑیں: ''ارے بیٹا! تمھیں کیسے پتا چلا کہ میری بائیں ہاتھ کی چھنگلی پر تین تل ہیں۔''

کرمو نے سوالیہ نگاہیں بابو میاں کی طرف اُٹھائیں تو ان کے لبوں سے سرسراہٹ سنائی دی: ''بی اماں!''

اور اگلے ہی لمحے دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کو پہچان چکے تھے۔ بی اماں نے فوراً رکشا رکوایا اور ان دونوں کو لے کر ایک متوسط درجے کے مکان تک جا پہنچیں، جہاں ان کے بیٹے اور بہو نے بابو میاں کا شاندار استقبال کیا۔ فرصت کے لمحات ملتے ہی بابو میاں نے بی اماں سے ان کی گڑیوں والی صندوقچی کے بارے میں پوچھا۔

بی اماں دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں: ''ارے بخشو بھیا! اماں، ابا اور
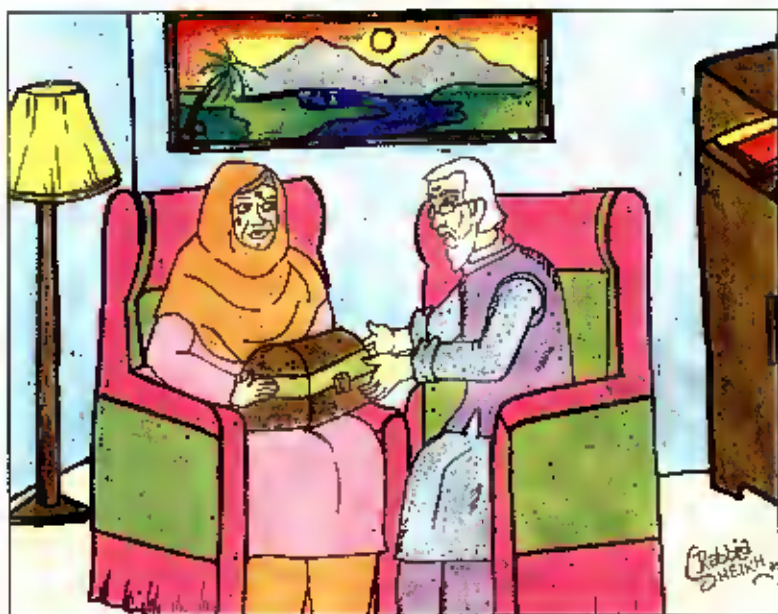
تمھارے بعد ایک وہی صندوقچی تو میری اپنی رہ گئی تھی۔ اللہ بخشے اماں کا تو پاکستان پہنچنے کے بعد دوسرے ہفتے ہی انتقال ہو گیا تھا۔ وہ تمھاری جدائی برداشت نہ کر سکیں۔ بس پھر میں نے اور ابا نے مل کر زندگی کی گاڑی کو کھینچا۔ ابا نے بڑی سادگی سے میری شادی کر دی تھی۔ پھر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ میں نے اس صندوقچی کو زندگی کے کسی موڑ پر بھی کھونے نہیں دیا۔ اماں کے آخری الفاظ بھی یہی تھے کہ بختو ملے تو یہ صندوقچی اسے ضرور دینا۔ میں نے ایک امانت کی طرح اس کی حفاظت کی ہے۔ لو بھیا! اب سنبھالو، اپنی امانت۔''

اور بابو میاں نے کانپتے ہاتھوں سے صندوقچی کا خفیہ خانہ کھولا۔ مرحومہ اماں کے دیے ہوئے اس تحفے سے اب بابو میاں اپنے خاندان کا مستقبل بنتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ☆

EBH
EBH
Girls
EBH
EBH
Boys
ENGLISH
BOOT
HOUSE (Pvt) Ltd.

سو برس کی نانی

اُمِ عادل

"اللہ میاں بارش دے۔ بارش نہیں تو سو برس کی نانی دے۔"

بچپن، نا سمجھی اور نادانی کا دور ہوتا ہے۔ نہایت کم سنی میں لہک لہک کر گایا گیا یہ شعر یقیناً سننے والوں کی سمجھ میں نہیں آئے گا کہ بارش کے ساتھ سو برس کی نانی کا کیا جوڑ بنتا ہے، مگر آج ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ کیسے بنتا ہے۔ ہمارے بچپن میں معمولی سی پھوار بھی پڑتی یا کالی گھٹائیں چھاتیں تو ہم نادان بچے جھوم جھوم کر یہ بے ربط شعر گا گا کر نہ صرف گھر، بلکہ پورا محلہ سر پر اُٹھا لیتے۔

ایک ایسے ہی حسین موسم میں جب بادل گھٹا بن کر برسنے کو تیار تھے۔ میں اپنی امی جان کے ساتھ خالہ جان کے گھر سے واپس آ رہی تھی کہ اچانک بارش شروع ہو گئی۔ جیسے ہی ہم بس سے

اُترے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی ۔ بارش اتنی زوردار تھی کہ راستہ چلنا مشکل ہوگیا۔

ابھی ہم اپنے گھر سے دو گلیاں دور تھے کہ ایک گھر کی کھڑکی میں کھڑی ایک خاتون نے ہمیں آواز دے کر کہا: ''بارش بہت تیز ہے ۔ بارش کے تھمنے تک آپ اندر آ جائیے ۔'' خاتون نے ہمارا جواب سنے بغیر جھٹ دروازہ کھول دیا۔

امی جان نے بھی یہی مناسب سمجھا اور خاتون خانہ کی دعوت قبول کرتے ہوئے گھر کے اندر چلی گئیں ۔ خاتون ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھانا چاہتی تھیں ، مگر گیلے کپڑوں کی وجہ سے امی جان نے انکار کرتے ہوئے برآمدے میں بچھی چارپائی پر بیٹھنے کو ترجیح دی ۔ ہماری آوازیں سن کر اندر سے ایک نہایت عمر رسیدہ ، مگر چاق چوبند بوڑھی خاتون بھی برآمدے میں آ گئیں ۔ دروازہ کھولنے والی خاتون نے اپنا نام خالدہ بتاتے ہوئے کہا کہ یہ میری والدہ ہیں ۔ میں ان کی واحد اولاد ہوں ، یہ میرے ساتھ ، بلکہ میں ان کے ساتھ رہتی ہوں ۔ یہ انھی کا گھر ہے ، میرے تین بچوں کی نانی ہیں ، جن کی وجہ سے علاقے کی نانی کہلاتی ہیں ۔ پچھلے برس میرے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ میں ایک سرکاری اسکول میں ٹیچر ہوں ۔ ہم تو اس علاقے میں عرصہ دراز سے رہتے ہیں اور میری والدہ علاقے کے بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتی ہیں ۔ اپنی خوشی سے کوئی جتنا دے دے ، وہ قبول کر لیتی ہیں ۔ انھوں نے کوئی فیس مقرر نہیں کر رکھی ۔ انھی کی وجہ سے کافی دور دور تک ہماری جان پہچان ہے ۔ اپنا اور اپنی والدہ کا تعارف کرا کے انھوں نے امی سے پوچھا: ''آپ کو اس علاقے میں پہلی بار دیکھا ہے ۔ کیا آپ کسی کے گھر مہمان آئی ہیں؟''

''نہیں ہم دراصل پچھلے ہی مہینے دو گلیاں آگے کرائے کے گھر میں شفٹ ہوئے ہیں ، اس لیے زیادہ لوگوں سے جان پہچان نہیں ، مگر آپ سے اور نانی اماں سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے ۔

میری دو بچیاں ہیں۔ اس نئے علاقے میں آنے اور اسکول میں داخلے کے بعد میں ان کی قرآنی تعلیم کی طرف سے فکر مند تھی، مگر آپ سے اور نانی سے مل کر لگتا ہے کہ اللہ کے فضل سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے۔ نانی اماں کس وقت بچوں کو پڑھاتی ہیں۔ اگر ان کی اجازت ہو تو کل سے میری دونوں بچیاں نانی اماں سے قرآن پاک پڑھنے آجایا کریں؟" امی جان نے تفصیل سے جواب دے کر پوچھا۔

"ہاں ہاں، کیوں نہیں، ہمارے دروازے تو پورے اہلِ محلہ کے لیے کھلے ہیں۔ آپ کل دوپہر کے بعد تین بجے تک بچوں کو بھیج دیں۔" آنٹی خالدہ چائے بھی بنا لائیں اور نہایت اصرار اور اخلاص سے ہمیں چائے پلائی۔

بادل جم کر برسنے کے بعد ختم چکے تھے۔ امی نے رخصت کی اجازت چاہی۔ دوسرے دن تین بجے امی جان مجھے اور باجی آمنہ کو لے کر نانی کے گھر آئیں، جہاں پہلے ہی بہت سارے

WWW.PAKSOCIETY.COM

بچوں کو نانی اماں پڑھانے میں مصروف تھیں۔ امی نے کچھ رقم نانی اماں کی مٹھی میں دی۔ باجی اور ہمیں نانی اماں کے پاس چھوڑ کر خدا حافظ کہہ کر گھر چلی گئیں۔

نانی اماں کے پاس پڑھائی کے دوران ہمیں اندازہ ہوا کہ نانی اماں نہایت شفیق، محبت کرنے والی خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اصول پرست، وقت کی پابند اور پڑھائی کے معاملے میں ایک سخت گیر استاد ہیں۔ پڑھائی اور پابندیِ وقت کے معاملے میں وہ ذرا سی بھی چھوٹ نہیں دیتی تھیں۔ یہ سچ ہے کہ وقت کی پابندی میں نے نانی اماں ہی سے سیکھی ہے۔
نانی اماں برآمدے میں بیٹھ کر بچوں کو پڑھاتیں۔ برآمدے میں کچی کیاریاں تھیں، جن میں نانی اماں نے خوب صورت پھول دار پودے اور سبزیاں اُگا رکھی تھیں، جن کے قریب جانے اور چھونے کی ہم بچوں کو بالکل اجازت نہیں تھی۔

نانی کو اپنے پھولوں اور پودوں سے اتنی محبت تھی کہ ان کا ایک پتا بھی ٹوٹنے پر وہ تڑپ اُٹھتی تھیں۔ ایسے میں گلی میں ہر وقت کرکٹ کھیلنے والے لڑکوں کی گیند جب ہم بچوں پر یا پودوں میں آ کر گرتی تو نانی سخت جلال میں آ جاتیں۔ ان کا اصول تھا کہ آنے والی گیند ہرگز واپس نہ کرتیں، بلکہ اسے اُٹھا کر ایک پرانے بکس میں ڈال دیتیں اور دروازے پر جا کر ان لڑکوں کو اپنی کڑک دار آواز میں ڈانٹتے ہوئے کھیل کود اور آوارہ گردی چھوڑ کر پڑھائی میں دل لگانے کی نصیحت کرتیں، مگر ان لڑکوں پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ وہ اپنی نہ ملنے والی گیند کو رو پیٹ کر نئی گیند لینے چل دیتے، پھر اگلی بار وہ گیند بھی نانی کے گھر آنے کے جرم میں بکس میں ہمیشہ کے لیے قید کر دی جاتی۔

نانی اماں اس بڑھاپے میں بھی اپنے کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتیں۔ وہ اپنے

کپڑوں کی دھلائی اور مرمت بھی خود ہی کرتیں، سوئی میں دھاگا ہم بچیوں سے ڈلواتیں۔ ایک مرتبہ ہم نے آنٹی خالدہ سے پوچھا کہ نانی اماں کی عمر کتنی ہے؟ اس دن نانی اماں کی طبیعت خراب تھی، اس لیے وہ اپنے کمرے میں سو رہی تھیں۔

آنٹی خالدہ نے بتایا خیر سے اماں کی عمر ایک کم سو سال یعنی ننانوے برس ہو گئی ہے۔ اگلے برس ان شاء اللہ پورے سو برس کی ہو جائیں گی۔ ہمیں اپنا پھر وہی شعر یاد آنے لگا: ''اللہ میاں بارش دے، بارش نہیں تو سو برس کی نانی دے۔''

آنٹی نے بتایا سب محلے والوں نے نانی کی عمر سو سال پورے ہونے پر ایک جشن کا پروگرام بنایا ہے، تم سب بھی آنا، بہت مزا آئے گا۔ وقت اپنی رفتار سے گزرا اور نانی اماں نے صحت مندی کے ساتھ اپنی عمر کی سنچری مکمل کر لی۔ محلے والوں نے محلے کے بیچوں بیچ بڑا سا اسٹیج بنایا اور پروگرام میں محلے کے ہر گھر نے مالی تعاون کیا۔ اسٹیج کو بہت خوب صورتی سے سجایا گیا۔ بہت بڑا کیک بنوایا گیا۔ پورے محلے کے مردوں، عورتوں اور بچوں نے بھرپور شرکت کی۔ نانی اماں اور ان کے گھر والوں کو صد سالہ جشن کے موقع پر سب نے مبارک باد دی۔ ہر کوئی اپنے ساتھ نانی اماں کے لیے مختلف تحفے لایا۔ پورا اسٹیج تحفوں سے بھر گیا۔

سب نے مل کر نانی اماں کی درازیِ عمر اور صحت کے گیت گائے۔ نانی اماں سب محلے والوں کو جھولی بھر بھر کر دعائیں دے رہی تھیں۔ پورا محلہ امن، محبت، یکجہتی کا دل کش منظر پیش کر رہا تھا۔ سب خوش تھے۔ کوئی کسی سے ناراض نہ تھا۔ سب کے کھانے کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ جیسے ہی سب کھانے سے فارغ ہوئے، اچانک بادل جھوم کے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے چھم چھم برسنا شروع کر دیا۔ ایسے میں بے اختیار میرے لبوں پر وہی شعر ''اللہ میاں بارش دے، بارش

دے --- سو برس کی نانی دے، نانی دے" آ گیا بس پھر کیا تھا! ادھر بادل جھوم رہے تھے۔ ادھر تمام محلے کے چھوٹے بڑے ہمارے ساتھ جھوم جھوم کر گا رہے تھے "اللہ میاں بارش دے بارش دے۔ سو برس کی نانی دے، نانی دے۔"

آج ہمارا بچپن کا بے ربط شعر حقیقت بن گیا۔ باران رحمت بھی تھی اور ہم سب کے پاس سو برس کی نانی بھی تھیں۔ ہم سب بچے لہک لہک کر گانے کے ساتھ بھاگ کر نانی اماں کو ملنے والے تحائف ان کے گھر پہنچا رہے تھے۔ موجودہ دور کی کشیدہ صورت حال میں اب بچپن کی یادوں کے خوب صورت اور قیمتی لمحات انمول خزانے سے کم نہیں۔ ☆

انعامی سلسلہ ۲۲۶

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۲ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، ان میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم ۷ درست جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ درست جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۲ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو چودہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-اکتوبر ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ قرآن کریم کی سب سے آخری سورت .... ہے۔ (سورۃ الفلق ۔ سورۃ الاخلاص ۔ سورۃ الناس)

۲۔ حضرت لوطؑ کے والد کا نام .... تھا۔ (ہاران ۔ تارخ ۔ عمران)

۳۔ مشہور کتاب "فسانۂ مبتلا" .... کی تصنیف ہے۔ (سر سید احمد خاں ۔ ڈپٹی نذیر احمد ۔ خواجہ حسن نظامی)

۴۔ جاپانی پہلوان انوکی سے مقابلہ کرنے والے جھارا پہلوان کا اصل نام .... تھا۔ (عزیز ۔ زبیر ۔ عبیر)

۵۔ ماہر تعمیر نصر الدین مرات خان نے .... کا ڈیزائن بنایا تھا۔ (مینار پاکستان ۔ مزار قائد ۔ مسجد فیصل)

۶۔ قیام پاکستان کے بعد سب سے پہلے .... نے پاکستان کو تسلیم کیا۔ (ترکی ۔ افغانستان ۔ ایران)

۷۔ "فضہ" عربی زبان میں .... کو کہتے ہیں۔ (سونا ۔ چاندی ۔ المونیم)

۸۔ سنگاپور کے دارالحکومت کا نام .... ہے۔ (سنگاپور ۔ بنکاک ۔ ہانگ کانگ)

۹۔ قدیم یونان کا مشہور شاعر ہومر .... تھا۔ (بہرا ۔ اندھا ۔ گونگا)

۱۰۔ عمران خان نے جون .... میں اپنا پہلا کرکٹ ٹیسٹ میچ کھیلا تھا۔ (۱۹۷۱ء ۔ ۱۹۷۴ء ۔ ۱۹۷۸ء)

۱۱۔ پیٹر اعظم .... کا مشہور بادشاہ تھا جو ۱۶۷۲ء میں پیدا ہوا تھا۔ (روس ۔ اٹلی ۔ یونان)

۱۲۔ بیل فائٹنگ .... کا قومی کھیل ہے۔ (جرمنی ۔ پرتگال ۔ اسپین، پرانا نام "اندلس")

۱۲۔ مکھی کی .... ٹانگیں ہوتی ہیں۔ (چار ۔ چھے ۔ آٹھ)

۱۳۔ ستمبر ۱۹۷۸ء میں مصر اور اسرائیل کے درمیان ہونے والا سمجھوتا .... کہلاتا ہے۔

۱۴۔ (معاہدہ لوکارنو ۔ معاہدہ لوزان ۔ معاہدہ کیمپ ڈیوڈ)

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ''ضرورت ایجاد کی .... ہے۔'' (نانی ۔ بیٹی ۔ ماں)

۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہے گا کچھ نہ کچھ .... کیا

(جلائیں ۔ گھبرائیں ۔ سمجھائیں)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۲۶ (اکتوبر ۲۰۱۳ء)

نام : ....

پتا : ....

....

....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔اکتوبر ۲۰۱۳ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلا عنوان انعامی کہانی (اکتوبر ۲۰۱۳ء)

عنوان : ....

نام : ....

پتا : ....

....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔اکتوبر ۲۰۱۳ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکا دیے۔

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

محمد عدیل رشید، حیدرآباد — مصباح نسیم خان، کراچی
فرناز دہلوی، کراچی — خرم احمد، کراچی
عاصمہ فرحین، کراچی — راحیلہ خالد، کراچی
کومل فاطمہ اللہ بخش، ملیاری ٹاؤن — فاطمہ حسن علی، حیدرآباد
فرح محمد ابراہیم احمدانی، سانگھڑ

کتابیں اور حکیم محمد سعید

محمد عدیل رشید، حیدرآباد

شہید حکیم محمد سعید مطالعے کے بے حد شوقین تھے۔ ان کے مطالعے کا اندازہ کرنا ہو تو بچوں کے لیے ان کی لکھی گئی ڈائری "پچی کہانی" میں پڑھیے۔ انھوں نے یہ ڈائری ۱۹۹۲ء میں جنوری سے لے کر دسمبر تک ہر مہینے لکھی اور ہر مہینے کی ایک کتاب تیار ہو کر شائع ہوئی۔

انھوں نے بچوں اور نوجوانوں کے لیے ۲۲ سفرنامے لکھے، جن میں سے خاص خاص یہ ہیں: استنبول کا ذہنی سفر، یہ ترکی ہے، دہلی کی سیر، لندن اور کیمبرج، دہلی میں تین دن، دہلی سے سونے کی کان تک اور یہ جاپان ہے۔ حکیم صاحب کے بڑوں کے لیے لکھے گئے سفرنامے اس کے علاوہ ہیں: ایک مسافر چار ملک، کوریا کہانی، یادِ سعید اور نقشِ سفر وغیرہ۔

اخلاقیات کے موضوع پر کتابوں کے نام یہ ہیں: محبت کی باتیں، اسلوبِ زندگی، نورستان، آواز اخلاق، عرفانستان، فکرستان وغیرہ۔

حکیم صاحب نے بچوں کے لیے سیرۃ النبیؐ پر بھی مختصر کتاب "سب سے

بڑے انسان'' لکھی۔

بحیثیت طبیب انھوں نے بچوں کے لیے انسانی جسم کے عجائبات'' اعضا بولتے ہیں'' اور'' یہ معمولی نزلہ نہیں ہے'' کے عنوان سے کتابیں لکھیں۔ انھوں نے صحت کا قاعدہ اور صحت نامہ بھی لکھا۔

حکیم صاحب نے حضور اکرمؐ کی زندگی پر ایک کتاب ''نقوشِ سیرت'' بھی لکھی جو پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اخلاقیات کے موضوع پر سنہرے اصول، سچ بولو، پھول اور کانٹے کے نام سے بھی پیاری پیاری کتابیں تحریر کی تھیں۔

حکیم صاحب کی زندگی پر مختلف کتب لکھی گئی ہیں، جن میں حیات سعید، انکل حکیم محمد سعید، بچوں کے حکیم محمد سعید (انٹرویو) شامل ہیں۔

لالچ کی سزا

قمر ناز دہلوی، کراچی

ایک گاؤں میں دو دوست رہتے تھے۔ ایک تھا بہت چالاک، اس لیے اس کا نام تیز ہوش پڑ گیا۔ دوسرا بے چارہ بہت سادہ آدمی تھا۔ سب لوگ خرم دل کہتے تھے۔

ایک دن دونوں سفر پر نکلے۔ راستے میں انھیں اشرفیوں کی ایک تھیلی مل گئی۔ دونوں بہت خوش ہوئے۔ خرم نے کہا: ''آؤ، یہ اشرفیاں آدھی آدھی کر لیں۔ آدھی تمھاری، آدھی میری۔''

تیز ہوش نے چالاکی دکھائی۔ کہا کہ عقل مندی اسی میں ہے کہ ہم اپنی ضرورت کے لیے چند اشرفیاں نکالیں، باقی یہاں کسی پیڑ کے نیچے دبا دیں۔ جب واپس آئیں گے تو نکال لیں گے۔ اگر ابھی ساتھ لے کر چلتے ہیں تو چوری چکاری کا ڈر ہے۔

خرم دل کو یہ مشورہ اچھا لگا۔ دونوں نے مل کر اشرفیوں کی تھیلی ایک پیڑ کے نیچے دبا دی، پھر وہ آگے سفر پر چل پڑے۔ جب رات ہوئی اور خرم دل سو گیا تو تیز ہوش چپکے سے اٹھا۔ اس پیڑ کے پاس گیا اور

اشرفیوں کی تھیلی نکال کر اپنے پاس چھپالی۔

کچھ دنوں بعد جب وہ لوگ سفر سے پلٹے تو آپس میں مشورہ کر کے کہا آؤ اشرفیوں کی تھیلی نکالتے ہیں اور اس پیڑ کے پاس پہنچ گئے، مگر جب زمین کھودی تو تھیلی کو غائب پایا۔ تیز ہوش نے خرم دل سے کہا: ''تھیلی تو نے نکالی ہے۔''

خرم دل نے اپنی بہت صفائی پیش کی، مگر تیز ہوش نے ایک نہ مانی۔ خوب شور مچایا۔ وہ خرم دل کو پکڑ کر قاضی کے پاس لے گیا۔ قاضی نے تیز ہوش سے کہا: ''اپنے گواہ لاؤ۔''

تیز ہوش نے کہا: ''میرا گواہ درخت ہے۔ آدمی اس وقت کوئی نہیں تھا۔ درخت سے چل کر آپ پوچھ لیں۔''

قاضی نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اب تیز ہوش اپنے باپ کے پاس گیا، اسے ساری بات بتائی اور کہا: ''درخت اندر سے کھوکھلا ہے، آپ رات کو اس درخت کے اندر جا بیٹھیں۔ جب صبح کو قاضی آ کر پوچھے تو آپ اندر سے جواب دیں کہ تھیلی خرم دل نے نکالی ہے۔''

باپ نے تیز ہوش کو سمجھایا کہ بیٹے جھوٹ اور فریب سے باز آ، مگر بیٹا کہاں باز آتا تھا۔ باپ نے بیٹے کی محبت سے مجبور ہو کر وہی کیا جو بیٹے نے کہا تھا۔ قاضی نے صبح ہی صبح درخت سے پوچھا: ''اے درخت! بتا اشرفیوں کی تھیلی کس نے یہاں سے نکالی ہے؟''

درخت سے آواز آئی: ''خرم دل نے۔''

قاضی سمجھ دار آدمی تھا۔ آخر روز مقدمے سنتا تھا۔ ایسی باتیں خوب سمجھتا تھا۔ سو وہ سمجھ گیا کہ اس میں کوئی راز ہے۔ درخت خود نہیں بولا ہے۔ اندر کوئی ہے۔ اس نے حکم دیا کہ درخت کے نیچے لکڑیاں رکھ کر اس میں آگ لگا دو۔

جب درخت میں آگ لگی تو اندر سے بوڑھا باپ چلایا۔ وہاں وہ اس کے اندر میں ہوں۔ لوگوں نے آگ بجھائی۔ درخت سے بوڑھے کو نکالا۔ وہ بے چارہ بُری طرح جھلس گیا۔ اس نے بتایا کہ میں تیز ہوش کا باپ ہوں، پھر تیز ہوش کی چالاکی لوگوں کو بتادی۔ تیز ہوش رسوا ہوا۔ خرم دل بدنی ہوگیا۔

باادب اور بے ادب

عاصمہ فرحین، کراچی

کہتے ہیں کہ باادب بانصیب۔ بے ادب بےنصیب۔ سوچنے کی بات ہے کہ باادب کون ہیں؟

باادب وہ بچے، شاگرد یا وہ لوگ ہیں جو اپنے سے بڑوں کا کہنا مانتے ہیں۔ اگر وہ انھیں اچھی باتوں پر عمل کرنے کا یا اپنانے کا کہتے ہیں اور انھیں بُرے کام کرنے سے منع کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر جب انھیں کسی کام کے لیے کہا جائے، جو ان کی عمر اور جسمانی لحاظ سے موزوں ہو تو وہ خوش دلی سے کرتے ہیں۔

اپنے بزرگوں سے عزت و احترام سے پیش آنا۔ ان کی خدمت کرنا۔ کبھی کبھار ان کے سر میں تیل ڈال کر مالش کرنا بھی باادب بچوں کا کام ہے۔

اگر اساتذہ ہوں تو نہ صرف ان کے سامنے ان کا ادب کیا جائے، بلکہ اگر وہ کبھی اسکول سے باہر مل جائیں تو نہ صرف انھیں سلام کرنا چاہیے، بلکہ انھیں اتنی ہی عزت اور تعظیم دیں جیسے کہ اسکول میں دیتے تھے۔ اپنے بڑوں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے اور نہ یہ سوچنا چاہیے کہ مجھے فلاں کام سے فلاں وقت منع کیوں کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں ہماری بھلائی ہو۔

جب ہم اپنے بڑے بہن بھائی،

والدین، بزرگ، عزیز رشتے داروں اور اساتذہ کا کہنا ماننا شروع کرتے ہیں تو ہمیں بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ ان کے دل میں ہماری محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی ہم سے بہت اچھے طریقے سے پیش آتے ہیں۔ مثال کے طور پر بڑے بڑے بزرگ اس طرح دعائیں دیتے ہیں۔ یہ تھوڑے سے فوائد ہیں "باادب بچوں کے لیے"

آپ جانتے ہیں کہ "بے ادب" کون ہیں؟ "بے ادب وہ ہیں" جنھیں اپنے سے چھوٹے اور اپنے سے بڑے کا لحاظ نہیں ہوتا۔ نہ تو چھوٹوں سے شفقت سے بات کرتے ہیں اور نہ بڑوں کی عمر کا لحاظ۔ جو ان کے دل میں آتا ہے کرتے چلے جاتے ہیں۔ کپڑے تبدیل کرنے کو کہیں تو نہیں کرتے۔ دانت برش نہیں کرتے۔ کوئی کام بتاؤ تو صاف انکار کر دیتے ہیں۔ اسکول کا کام نہایت بے ڈھنگے طریقے سے کرتے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لیے استاد نے ڈانٹ دیا تو استاد سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ چھوٹوں کو مارنا، بڑوں سے زبان چلانا، بات بے بات غصہ کرنا۔ یہ سب باتیں بے ادبی کہلاتی ہیں۔ ایسے بے ادب بچوں کو کون پڑھائے گا؟ اساتذہ کیسے توجہ دیں؟ بزرگ کیسے دعائیں دیں گے؟

ٹھیک کہتے ہیں "باادب بانصیب۔ بے ادب بے نصیب"

پانی

کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری ٹاؤن

پانی ہماری زندگی کا سب سے اہم حصہ ہے۔ پانی کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ جس طرح سے آج کل ہم دل کھول کر پانی ضائع کر رہے ہیں اگر پانی ایسے ہی ضائع ہوتا رہا تو مستقبل میں، چور پانی چوری کرنے کے لیے گھر میں داخل

ہوں گے اور جب گھر والے صبح گھر کا جائزہ لیں گے تو الماری اور تجوری کو سلامت پائیں گے، لیکن کولر اور فریج انھیں خالی ملے گا۔ لوگ پولیس میں شکایت درج کرائیں گے تو پولیس ان سے ایک بوتل پانی مانگے گی۔ عدالت میں پولیس ملزم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہے گی: ''اس کو موقع واردات پر ننگے ہاتھوں نہاتے ہوئے پکڑا ہے۔'' ثبوت کے طور پر گیلا صابن اور بھیگی تولیہ پیش کی جائے گی۔ ملزم کو تو پورے دو مہینے حوالات میں بغیر نہائے رہنے کی سزا ملے گی۔

تقریبات کے موقع پر مہمانوں کو کھانے کے بجائے پانی پیش کیا جائے گا۔ شرمندہ ہونے والا چلّو بھر پانی ڈھونڈتا رہے گا۔ ہر طرف پانی ہی پانی کی آوازیں سنائی دیں گی۔ پانی سونے سے بھی مہنگا ہو جائے گا۔ کاروباری خبروں میں پانی کو اہمیت دی جائے گی۔ مثلاً آج پانی کی قیمت میں دس فی صد اضافہ ہو گیا یا آج پانی کی قیمت میں پانچ فی صد کی آئی ہے۔

اگر آپ ان حالات سے بچنا چاہتے ہیں تو براہِ مہربانی پانی بالکل ضائع نہ کریں۔ پانی سے متعلق بہت سے محاورے ختم ہو جائیں گے۔ مثلاً کیے کرائے پر پانی پھیرنا، پانی پی پی کر کوسنا، پانی سر سے اونچا ہونا، پانی پانی ہو جانا وغیرہ۔

امتحانی نتیجہ

مرسلہ : مصباح نسیم خان، کراچی

کیوں بھائی! رو رہا ہے
ہلکان ہو رہا ہے
کچھ تو خبر مجھے دے
بولا وہ، میرا بھائی
ابا نے مجھ کو پیٹا
ہر چیز پہ گھسیٹا
نمبر جو میرے دیکھے

ایسے دیے تھپیڑے
اماں بھی جا چھپی تھیں
ابا سے ڈر کے مارے
اب حال یہ میرا ہے
گٹا بھی مجھ سے پوچھے
کس حال میں ہو پیارے

ٹیکسی ڈرائیور (۱)

خرم احمد، کراچی

عائشہ اپنی امی سے ملنے گئی ہوئی تھی۔ واپسی میں وہ ٹیکسی سے آرہی تھی۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر باہر کا خوب صورت نظارہ دیکھنے میں اسے بہت مزہ آرہا تھا۔ کالے بادل، برف باری، غروب ہوتا ہوا نارنجی سورج۔ سب کچھ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ اسے ڈرائیور کی آواز نے چونکا دیا: ''باجی! آپ کا گھر آگیا ہے، اتر جائیے۔''

''شکریہ بھائی!'' عائشہ نے اسے نوٹ پکڑاتے ہوئے کہا اور اتر کر گھر کے اندر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اسے یاد آیا کہ وہ اپنا بٹوا ٹیکسی میں ہی بھول گئی ہے۔ اب کیا ہوگا؟

ادھر جب ٹیکسی ڈرائیور رشید اپنے گھر پہنچا تو اسے عائشہ کا بٹوا مل گیا، لیکن اس بٹوے کی وجہ سے نفس اور ضمیر کی آپس میں جنگ شروع ہوگئی۔ اس کا نفس کہتا: ''پیسے اس میں سے نکال کر خرچ کرلو، لیکن اس کا ضمیر کہتا کہ نہیں، نہیں اس میں سے پیسے نہیں نکالو۔ یہ اس عورت کی امانت ہے۔ اس لیے اسے واپس لوٹا دو۔''

آخر اس کا ضمیر جیت گیا۔ وہ اُٹھا اور ٹیکسی دوڑاتا ہوا عائشہ کے گھر پہنچ گیا۔ عائشہ کچن میں کچھ پکا رہی تھی۔ جب اس نے گاڑی کی آواز سنی تو کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ٹیکسی ڈرائیور اس کے گھر کی طرف آرہا تھا۔ جب رشید عائشہ کو اس کا بٹوا دے رہا تھا تو عائشہ نے پوچھا: ''کیا یہ ٹیکسی

تمھاری ہے؟''

ڈرائیور نے کہا: ''نہیں، اس کا مالک کوئی اور ہے۔''

عائشہ نے کہا: ''مجھے ایک ڈرائیور کی ضرورت ہے۔ اگر چاہو تو تم یہاں ملازمت کر سکتے ہو۔ یہاں تمھیں تنخواہ اچھی ملے گی۔''

ڈرائیور کے چہرے سے خوشی ظاہر ہونے لگی۔ اس نے کہا: ''ٹھیک ہے، مجھے خوشی ہوگی۔ آپ بہت مہربان خاتون ہیں۔''

ٹیکسی ڈرائیور (۲)

رابعہ خالد، کراچی

اتوار کا دن تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ موسم بہت خوش گوار تھا۔ مریم شاپنگ مال جانے کے لیے ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ٹیکسی کی سیٹیں سرخ تھیں، جن پر نیلے نیلے پھول بنے ہوئے تھے۔ مریم کے پاس ایک چھوٹا سا پرس تھا، جس میں شاپنگ کے لیے پیسے رکھے ہوئے تھے۔ مریم نے اپنا پرس سیٹ پر رکھا اور کھڑکی کے باہر ہرے بھرے درختوں کا منظر دیکھنے لگی۔

جب شاپنگ مال آ گیا تو مریم اتر گئی، مگر اپنا پرس ٹیکسی میں ہی بھول گئی۔ مریم شاپنگ مال کے اندر چلی گئی، مگر ٹیکسی والے نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مریم کا پرس سیٹ پر پڑا تھا۔ پرس کو دیکھتے ہی اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ کہیں اس میں پیسوں کے بجائے کچھ اور تو نہیں ہے۔ یہ سوچتے ہی اسے لگا کہ اسے کھول کر دیکھنا چاہیے کہ اس میں کیا ہے، مگر اس نے سوچا کہ میں اسے واپس کر دیتا ہوں۔ وہ بھی مال کی طرف چلا گیا۔ ٹیکسی والا مریم کو ڈھونڈ رہا تھا اور ادھر مریم پرس کو ڈھونڈ رہی تھی۔ ٹیکسی والے نے مریم کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی اور آخر اسے مریم مل گئی۔ اس

نے مریم کو پرس واپس کرتے ہوئے کہا کہ آپ اپنا پرس ٹیکسی میں بھول گئی تھیں۔

مریم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اس نے پرس میں سے کچھ روپے نکالے اور اسے دے دیے۔ ٹیکسی والا بہت خوش ہوا اور مریم کا شکریہ ادا کیا۔

آڑو کی کہانی

فاطمہ محسن علی، حیدر آباد

آڑو سفید، سبز یا زرد رنگ کا ایک مشہور پھل ہے۔ اسے درخت کہنے کے بجائے اگر پودا کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ اس کے پودے کا قد دس فیٹ اونچا ہوتا ہے اور اس کے پتے نوکیلے سبز ہوتے ہیں۔ پھل لگنے سے پہلے پھول آتے ہیں، جو گلابی رنگ کے ہوتے ہیں۔ جب یہ پھول آ جائیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ بس اب میٹھے میٹھے آڑو لگنے والے ہیں۔ سفید رنگ کے آڑو کا اصل وطن ایران ہے، جب کہ زرد رنگ کا آڑو پاکستان میں پیدا ہوتا ہے۔ یہیں سے اس کی نسل ایران اور ترکی گئی۔ صوبۂ سرحد کا آڑو بہت لذیذ، بہت بڑا اور خستہ ہوتا ہے۔

اس کی پرانی شاخیں پھل دینے کے بعد بے کار ہو جاتی ہیں اور سردیوں میں اس کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ آڑو کا عام پودا دس سال تک پھل دیتا ہے۔ پھل پکنے کی مدت مئی سے ستمبر تک ہوتی ہے۔ چھوٹے اور سفید آڑو جلد پک جاتے ہیں، جب کہ بڑے اور زرد آڑو ستمبر تک پک کر تیار ہوتے ہیں۔ آڑو کی گٹھلی بہت ہی سخت ہوتی ہے، لیکن اگر اس کی گری نکال کر اس سے تیل نکالا جائے تو یہ تیل کان کی کئی بیماریوں کی دوا ہے۔ خاص طور پر جن لوگوں کو کم سنائی دیتا ہو اگر وہ یہ تیل رات کو سوتے وقت کانوں میں ڈالیں تو بہت فائدہ مند ہے۔

انٹرنیٹ اور موبائل فون

فرح محمد ابراہیم احمدانی، سانگھڑ

آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ موبائل اور انٹرنیٹ پر لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کرتے ہیں اور کچھ لوگ تو راتیں جاگ کر بھی موبائل اور نیٹ استعمال کرتے ہیں۔

آج کل ہماری زندگی ان دو چیزوں کے گرد گھوم رہی ہے۔ ان کے علاوہ بھی دنیا میں بہت سی مفید مصروفیات ہیں۔ نیٹ پر ختم نہ ہونے والی معلومات بھی ہیں اور یہ تفریح مہیا کرنے کا ذریعہ بھی ہے، لیکن لوگوں نے ان چیزوں کے غیر ضروری استعمال کو اپنا معمول بنا لیا ہے۔

انھیں اس چیز کی کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ اپنا وقت برباد کر رہے ہیں اور ان کا زیادہ استعمال ان کی صحت کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ لوگ اس چمکتی ہوئی اسکرین (کمپیوٹر) کی وجہ سے دنیا کی دوسری خوب صورت چیزوں سے جو غفلت برت رہے ہیں، ان پر بھی ذرا غور کریں۔

گھر سے باہر قدم نکالیں اور دیکھیں اپنے ارد گرد ایسی بے شمار چیزیں ہیں، جن کو مشاہدے میں لا کر آپ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

اپنے علاقے میں موجود پارک میں چہل قدمی کو اپنا معمول بنائیے۔ کوئی ہنر سیکھیں اور اپنی پڑھائی کو فوقیت دیں۔ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو وقت دیں۔

مانا کہ انٹرنیٹ وغیرہ ہماری ضرورت بن چکی ہیں، لیکن پھر بھی ہمارے رشتوں سے بڑھ کر تو نہیں ہیں۔ آپ نیٹ کو کم سے کم استعمال کریں اور اپنا وقت اچھی اچھی کتابیں پڑھنے پر صرف کریں۔ موبائل کو بھی ضرورت کے وقت ہی استعمال کریں۔

☆☆☆

مسکراتی لکیریں

ایک صاحب نے بھکاری سے پوچھا: ''کیا کبھی کسی نے تمھیں اپنے ہاں کام کرنے یا ملازمت کرنے کی پیش کش کی؟''

بھکاری نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا: ''جی ہاں! صرف ایک مرتبہ ایسا دل دکھانے والا واقعہ ہوا تھا، ورنہ لوگ میرے ساتھ اکثر محبت اور ہمدردی کا ہی سلوک کرتے ہیں۔''

لطیفہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری ٹاؤن، کراچی

نونہال مصور
احسان اسلم، نارتھ کراچی
زرین خان، سرگودھا
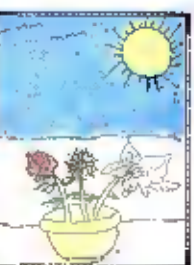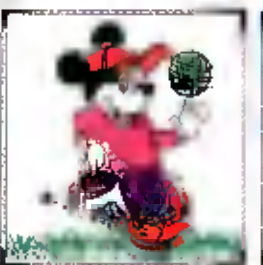
آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

مصوری کے لیے ہم کاغذ کے علاوہ مختلف سائز کے پتھر بھی کام میں لا سکتے ہیں۔ سب سے پہلے پتھر کا سائز اور بناوٹ غور سے دیکھیے، پھر ذہن سے سوچیے کہ پتھر کی بناوٹ کے مطابق کون سی تصویر بہتر بن سکتی ہے۔ اب پورے پتھر پر کوئی ایک رنگ کر لیں۔ جو تصویر بنانا چاہیں، اس پر خاکہ بنا کر مختلف رنگ بھر لیں۔ اوپر تصویر میں مختلف سائز کے پتھروں پر تصویروں کے نمونے دکھائے گئے ہیں۔ آپ بھی اسی طرح مشق کرتے رہیں، جلد اچھی تصویر بنانے لگیں گے۔ ☆

نونہال
ہربل گرائپ واٹر
اب نئے ڈیزائن اور جدید SAFE پیکنگ میں
Naunehal
Gripe Water
175 ml
CHILDREN'S FAVOURITE GRIPE WATER
ہمدرد

آبروئے صحافت

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں مفتی ڈاکٹر محمد عمران نظامی کے ساتھ دعا منصور، ڈاکٹر رفیق احمد، سعید آسی اور سید علی بخاری دعا میں شریک ہیں۔ نیچے بریگیڈیئر (ر) محترم محمد سلیم اور نونہال مقررین تقریر کر رہے ہیں۔

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور .... رپورٹ : سید علی بخاری

نوائے وقت گروپ آف پبلیکیشنز کے سربراہ، تحریک پاکستان کے کارکن اور میدانِ صحافت کی مشہور شخصیت جناب مجید نظامی گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔ ان کی یاد میں ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور کا خصوصی تعزیتی اجلاس ''آبروئے صحافت مجید نظامی مرحوم کے افکار کی روشنی میں آؤ، آزادی سے محبت کریں'' کے موضوع پر منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے وائس چیئرمین ڈاکٹر رفیق احمد نے کی۔ ڈپٹی ایڈیٹر

نوائے وقت لاہور، سعید آسی مہمانِ خصوصی تھے۔ تلاوت قرآن مجید نونہال مصعب علی خاں بنے اور نعتِ رسولِ مقبول نونہال حماد علی نے پیش کی۔

محترم سعید آسی نے کہا کہ مجید نظامی صرف ممتاز صحافی ہی نہیں مخلص محب وطن بھی تھے۔ ان کے دل میں ملک وملت کی بقا وسلامتی کے لیے سچی تڑپ موجود تھی اور وہ زندگی کی آخری سانس تک ملک وقوم کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لیے انتہائی اخلاص اور دردمندی کے ساتھ مصروفِ عمل رہے۔ ان کے دل میں بچوں کے لیے بھی بے پناہ محبت تھی۔ وہ خاموشی سے ایجوکیشن فنڈ کے ذریعے سے ہزاروں ضرورت مند طالب علموں کے تعلیمی اخراجات برداشت کرتے رہے۔ نظامی صاحب نے قوم کو اسلام اور پاکستان سے محبت کا جودرس دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

ڈاکٹر رفیق احمد نے بھی جناب مجید نظامی کی صحافتی خدمات پر روشنی ڈالی اور ان کی قابلِ قدر سماجی خدمات کا بھی تذکرہ کیا۔

تقریب سے نونہالوں اور دیگر مقررین نے بھی خطاب کیا۔

قائدِ ایوان ہمدرد نونہال اسمبلی، نویرا بابر نے کہا کہ ہم اراکین ہمدرد نونہال اسمبلی محترم مجید نظامی کی رحلت پر ان کے اہلِ خانہ، ادارہ نوائے وقت اور نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے کارکنان اور نظریاتی سمر اسکول کے نونہالوں سے تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور مجید نظامی مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ اس موقع پر مفتی ڈاکٹر عمران نظامی نے دعا کرائی۔ دیگر مقررین میں مبرال قمر، ملائیکہ صابر، دعا منصور، سردار احمد صدیقی، شرمین قمر، بابر نثار، زرین خان، صابر شاہین، محمد ہُزیر اعوان، منصور الحق اور رفیعہ ناہید اکرام شامل ہیں۔

آخر میں سید علی بخاری نے صدر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان محترمہ سعدیہ راشد کی جانب سے تمام معزز مہمانوں کی آمد پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ ☆

ہمدرد کا شربتِ فولاد
بوند بوند میں فولاد
مضبوط رکھے جیسے فولاد
بچوں بڑوں میں سب کے لیے نہایت مفید و موثر

😊 کل کے دن ایک مقامی کرکٹ ٹیم کو اچانک پتا چلا کہ ان کا ایک کھلاڑی کم ہے۔ انھوں نے اسپورٹس کے سامان کی دکان کے مالک سے کھیلنے کی درخواست کی۔ دکان کے مالک نے یہ سوچ کر ہامی بھر لی کہ انکار کرنا کاروباری لحاظ سے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس نے اس سے پہلے کبھی کرکٹ کھیلی ہی نہیں تھی۔

اتفاق سے پہلا گیند کو اس نے شارٹ مارا تو گیند تیزی سے باؤنڈری کی طرف گئی۔ دوسری طرف کھڑے کھلاڑی نے اسے پکارا: "بھاگیے تنار صاحب، بھاگیے۔"

"تم فکر نہ کرو بھائی!" دکان دار نے کہا: "میں تم لوگوں کو دوسری گیند دے دوں گا، ایسی سو گیندیں تم پر قربان۔"

مرسلہ : فراز بیا اقبال، عزیز آباد

😊 ایک سرکاری ملازم ناشتا کرنے کے لیے میز پر بیٹھا تو گھنٹہ بھر تک اخبار ہی پڑھتا رہا۔ پھر اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر اس نے آواز دی: "چائے لے آؤ۔"

اس کی بیوی نے کہا: "چائے تو میں لے آتی ہوں، لیکن کیا آج آپ دفتر نہیں جائیں گے؟"

"دفتر......؟" وہ چونک کر بولا: "یا اللہ! میں تو اپنے دفتر میں چائے منگوا رہا تھا، یہ گھر کیسے پہنچ گیا؟"

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

😊 ایک دوست نے دوسرے کو بتایا: "میں نے پچھلے سال اپنے گدھے کو دریائے سندھ میں پھینکا تھا، ابھی تک بہ رہا ہے۔"

دوسرے نے حیرت سے پوچھا: "تمھارا گدھا؟"

"نہیں، دریائے سندھ۔" پہلے نے جواب دیا۔

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

😊 ایک لڑکا روتا ہوا گھر آیا۔ ماں نے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ استاد نے مارا ہے۔

ماں: "بیٹا! تم نے پھر کوئی شرارت کی ہو گی۔"

لڑکا: (روتے ہوئے) "استاد بہت ڈانٹ رہے تھے۔ میں نے کہا: جو گزر چکے ہیں وہ دوبارہ نہیں۔"

مرسلہ : محمد افضل انصاری، لاہور

😊 ایک چیونٹی بل سے پاؤں باہر نکال کر بیٹھی تھی۔ اتنے میں اس کی ایک دوست چیونٹی آئی اور پوچھا کہ تم باہر پاؤں نکال کر کیوں بیٹھی ہو؟"

پہلی نے جواب دیا: "دیکھنا ابھی ادھر سے کوئی ہاتھی گزرے گا تو وہ ٹھوکر کھا کر گر جائے گا۔"

مرسلہ : کرن افضل، کراچی

😊 ایک بچے نے آواز بدل کر اسکول میں فون کیا: "آج میرا بیٹا بیمار ہے اس لیے اسکول حاضر نہیں ہو سکتا۔"

استاد: "آپ کون بول رہے ہیں؟"

بچہ: "جی میرے ابو بول رہے ہیں۔"

مرسلہ : عائشہ افضل، کراچی

😊 ایک آدمی ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا: "ڈاکٹر صاحب! میرا حافظہ بہت کم زور ہو گیا ہے۔ ہر بات فوراً ہی بھول جاتا ہوں۔"

ڈاکٹر نے پوچھا: "تمھیں یہ شکایت کب سے ہے؟"

مریض نے پوچھا: "کون سی شکایت؟"

مرسلہ : مجاہد الرحمن، کراچی

😊 ایک بچہ دوا لینے آیا تو ڈاکٹر نے پوچھا: "بیٹا! خالی پیٹ آئے ہو؟"

بچہ: "نہیں، مار کھا کر آیا ہوں۔"

مرسلہ : زوفشاں منیر رندھاوا، میرپور خاص

😊 ایک آدمی سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ اس نے دعا کی: "یا اللہ! مجھے پانی سے نکال دے تو میں تیری راہ میں چاول کی دیگ خیرات کروں گا۔"

ایک لہر نے اس کو باہر نکال دیا۔ اس کی نیت بدل گئی تو مسکرا کر کہا: "کیسی دیگ؟"

پھر ایک لہر آئی اور اس کو واپس پانی میں لے گئی۔ اس نے پھر کہا: "میں تو یہ پوچھ رہا تھا کہ بیٹھی یا نمکین؟"

مرسلہ : ندا محمد علی، اوتھل

😊 استاد (شاگرد سے): "اگر تمھاری ای

نے چار ہزار پانچ سو روپے کی ساڑھی، ایک ہزار روپے کی چپل اور پانچ سو روپے کا پرس خریدا ہو تو حاصل جمع کتنا ہوگا؟"

"حاصل جمع کا تو اندازہ نہیں ہے، لیکن میرے ابو کی جمع پونجی ختم ہو جائے گی۔"

مرسلہ : یسریٰ حبیب، کراچی

سروے کرنے والے ایک صاحب نے ایک سرکاری افسر سے پوچھا: "آپ کے دفتر میں کتنے لوگ کام کرتے ہیں؟"

انھوں نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر بولے: "سو میں سے دو تین۔"

مرسلہ : زینب ناصر، جگہ نامعلوم

ایک دکان دار بیر اشوٹ بیچ رہا تھا۔ گاہک نے پوچھا: "اگر بٹن دبانے کے بعد بیراشوٹ نہ کھلا تو؟"

دکان دار: "کوئی بات نہیں، تم دوسرا لے جانا۔"

مرسلہ : حافظ محمد ذکوان شفیق، جگہ نامعلوم

ایک زمیندار کا نوکر بیمار ہو گیا۔ اس نے دوسرا نوکر رکھ لیا۔ اگلے دن زمیندار نے دیکھا کہ وہ نوکر بھینس کا دودھ پینے کے بجائے الٹا اسے دودھ پلا رہا ہے۔

زمیندار نے پوچھا: "یہ کیا کر رہے ہو؟"

نوکر: "بھینس نے دودھ بہت پتلا دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اسے ایک چکر اور دے دوں، تاکہ دودھ گاڑھا ہو جائے۔"

مرسلہ : نادیہ اقبال، کراچی

ایک انگریز چین کے ایک ہوٹل میں گیا۔ وہ چینی نہیں جانتا تھا۔ ہوٹل میں کھانے کے مینو کی آخری سطر پر انگلی رکھتے ہوئے بیرے سے انگریزی میں کہا: "یہ ڈش لے لاؤ۔"

بیرا جو انگریزی جانتا تھا، مسکرا کر بولا: "معاف کیجیے جناب! آپ کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکے گی۔ یہ ہمارے ہوٹل کی مالکہ کا نام ہے۔"

مرسلہ : سہیلہ کرن، کراچی

ایک آدمی کو روزے میں سخت پیاس لگی۔ پاس بیٹھا ایک آدمی پانی پی رہا تھا۔ پہلے آدمی نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا: "یا اللہ! اگر ہم نے اس کو جنت میں دیکھا تو اس کی خیر نہیں۔"

مرسلہ : محمد دانیال، امرہ کلاں

دینی اور سبق آموز کتابیں
رسول اللہ ﷺ — سب سے بڑے انسان
اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی اور آپؐ کی تعلیمات کو مختصر، جکش
سہل اور سادہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نونہالوں، نوجوانوں اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے بھی
شہید حکیم محمد سعید کی ایک سبق آموز کتاب، جو طالب علموں کے لیے ایک مفید تحفہ ہے۔
خوب صورت ٹائٹل۔ نیا ایڈیشن
صفحات : ۴۸ ——— قیمت : ۳۵ روپے
اُمت کی مائیں
اس کتاب میں حضور اکرمؐ کی قابلِ احترام بیبیوں کے حالاتِ زندگی بیان کیے گئے ہیں، جو ہمارے
لیے قابلِ تقلید نمونہ ہیں اور بچیوں اور خواتین کے لیے خاص طور پر مفید اور دلچسپ ہیں۔
جناب حسین حسنی کی سب کے لیے مشعلِ راہ کتاب
صفحات : ۴۰ ——— قیمت : ۳۰ روپے
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے مختصر حالاتِ زندگی، جن کا ہر عمل ہمارے لیے
مشعلِ راہ ہے۔ مولانا فضل اللہ ندوی کی ایک مفید اور سبق آموز کتاب۔
صفحات : ۴۰ ——— قیمت ۳۵ روپے
☆ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

گہرا راز

شازیہ فرحین

"ہیلو ہیلو...." گھنٹی بجی تو شائستہ نے فون اُٹھا کر کہا۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے دھیمی آواز آئی: "کون! بہو رانی بات کر رہی ہو؟"

"جی جی، میں شائستہ بات کر رہی ہوں۔"

"بیٹی! کیسی ہو؟ افتخار تو ٹھیک ہے نا اور بچے کیسے ہیں؟" ایک ہی جملے میں کئی سوال تھے۔

"جی اماں جان! سب خیریت سے ہیں اور آپ کیسی ہیں؟" شائستہ نے ازراہِ مروت ان سے بھی پوچھ لیا۔ شائستہ اپنی ساس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ اپنے پڑھے لکھے ہونے پر اسے بہت غرور تھا۔ وہ بی اے پاس تھی۔

افتخار کی کراچی شہر میں اچھی بھلی ملازمت تھی، مگر شادی کے بعد شائستہ کے کہنے پر وہ ماں باپ کے حق سے بالکل لاتعلق ہو گیا تھا۔

"شائستہ بیٹی! دراصل تمھارے سسر جی کو تم سب کی بہت یاد آ رہی ہے، ہم چند مہینے کراچی میں تمھارے پاس گزارنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا آنے سے پہلے پوچھ لوں کہ کہیں ہماری بہو بیگم بے آرام نہ ہو جائیں...." اماں جان نے ایک لمحے کے توقف کے بعد اپنا مقصد بیان کیا۔

شائستہ خاموش رہی تو انھوں نے پھر کہا: "ہیلو، ہیلو.... شائستہ! آواز آ رہی ہے؟"

شائستہ کا ذہن تو جیسے سائیں سائیں کر رہا تھا اور پھر اس نے ایک تدبیر سوچ ہی لی: ''اماں جان! اصل میں اگلے مہینے میرے بچوں کے امتحانات ہیں۔ آپ لوگوں کے آنے سے وہ ڈسٹرب ہو جائیں گے۔ آپ ایسا کریں بھائی مختار کے پاس رہ لیں۔''

شائستہ نے گویا تجویز دی اور فون بند کر دیا۔

مختار، افتخار اور اسرار تینوں بھائی کراچی میں ملازمت کرتے تھے۔ بعد میں اسرار نے دوبارہ گاؤں میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں اپنا کاروبار جما لیا، جب کہ مختار اور افتخار اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر میں ہی رہے۔

افتخار کی آمدنی اچھی تھی، جب کہ مختار کے حالات اکثر خراب ہی رہے۔ کبھی ایک نوکری ختم ہوتی تو کبھی کوئی اور مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ کبھی مالک مکان سے کرایہ نہ دینے پر تکرار رہتی، مگر اس پر بھی دونوں میاں بیوی اللہ کا شکر ادا کرتے رہتے۔ کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاتے۔ مختار کی بیوی سکینہ حالاں کہ صرف میٹرک پاس تھی، مگر پھر بھی بہت سمجھ دار تھی۔

اماں جان اور ابا جی کو ان کے حالات کا علم تھا، اس لیے وہ جب شہر آتے تو افتخار کے گھر ہی قیام کرتے۔

اس بار بڑی بہو شائستہ کا تیکھا سا جواب سن کر اماں جان نے ایک سرد آہ بھری اور مختار کے گھر فون ملایا۔ اماں جی کی آواز سن کر سکینہ نے کہا: ''ہیلو، اماں جان! السلام علیکم، کیسی ہیں آپ اور ابا جی کیسے ہیں؟'' سکینہ ہمیشہ ہی اپنے ساس سسر کا احترام کرتی۔

اماں جان نے جواب دیا: ''بیٹا! سب ٹھیک ہیں بس تمھارے ابا جی تم سب سے

ملنے کو بے تاب ہیں۔''

''اگر ابا جی بے تاب ہیں تو ہم بھی ان سے ملنے کے لیے بے قرار ہیں۔ بس آپ جلدی سے ہمارے ہاں آ جائیں۔ مختار اور بچے تو آپ لوگوں کو بہت یاد کرتے ہیں، آپ جلدی سے تاریخ بتائیں تو ہم آپ کو لینے اسٹیشن پہنچ جائیں گے۔'' مختار کی بیوی کے پرتپاک انداز نے اماں جان کی ہمت بندھائی اور انھوں نے ایک ہفتے کی تاریخ بتا کر فون بند کر دیا۔

مختار جب گھر پہنچا تو والدین کی آمد کا سن کر وہ بھی بہت خوش ہوا۔ بچے بھی خوشی سے چہکنے لگے۔ یہ پہلا موقع تھا جب ابا جی اور اماں جان اس کے گھر رہنے آ رہے تھے۔

''اماں جان اور ابا جی کو ہم اپنے کمرے میں ٹھیرا لیتے ہیں، وہ کمرا ذرا گرم ہے، انھیں آرام رہے گا اور ہاں، میری بالیاں جو اماں جی نے ہی مجھے بنوا کر دی تھیں، فروخت کر کے کچھ پیسے لے آئیں، تاکہ ہم ان کی مہمان نوازی اچھی طرح کر سکیں۔'' سکینہ نے خوش دلی سے کہا۔

مختار نے ایک لمحے کو سکینہ کی دریا دلی دیکھی اور پھر اس کے خلوص کی تعریف کرتے ہوئے بالیاں اس کے ہاتھ سے لے لیں۔

''سکینہ! اس کے بدلے میں تمھیں میری اماں جان اور ابا جی کی بہت سی دعائیں ملیں گی۔'' مختار یہ کہتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔

ایک ہفتے بعد وہ سب اسٹیشن پر موجود تھے۔ مختار کے چاروں بچے محسن، حسن، احسن اور نادیہ کی نظریں اپنے دادا اور دادی کی تلاش میں تھیں۔

کچھ دیر کے بعد اماں جان اور ابا جی نظر آ ہی گئے۔ محسن پھولوں کا ہار لیے آگے بڑھا اور جلدی سے دادا جان کے گلے میں ڈال دیا۔ نادیہ نے دوسرا ہار دادی کو پہنایا۔ مختار تو ماں کے سینے سے ایسا چمٹا کہ جیسے دنیا کی دولت اس کے ہاتھ آ گئی، جب کہ ابا جان نے بہورانی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔

اماں جان اور ابا جی کی متلاشی نگاہیں افتخار کو ڈھونڈ رہی تھیں، مگر مصروفیت کا بہانا بنا کر وہ غیر حاضر تھا۔ گھر پہنچتے ہی سکینہ نے کھانا لگا دیا۔

''آؤ بچو! تم بھی ہمارے ساتھ کھاؤ۔'' اماں جان نے بچوں کو بلایا۔

''نہیں دادی جان! ہم سب کھانا کھا کر تو آپ کو لینے آئے تھے۔'' سکینہ کی ہدایت تھی کہ دادا جان اور دادی جان کے کھانا کھاتے وقت کوئی بھی اس جگہ نہ ٹھیرے۔ سکینہ نے بچوں کو تو دال چٹنی کھلا کر پیٹ بھر دیا تھا۔

دو دن بھی گزر گئے، مگر افتخار ابھی تک ملنے نہ آیا، کیوں کہ وہ بہت مصروف تھا۔ مختار اور سکینہ اماں جان اور ابا جی کی خدمت میں لگ گئے۔ سکینہ کبھی اماں جان کے سر پر تیل کی مالش کرتی تو ابا جی کے لیے ان کی پسند کا کھانا بنا کر ان کا دل خوش کر دیتی۔ گھر میں معاشی بدحالی کا کسی کو پتا تک نہ چلا اور پھر ایک مہینے کے اندر یکا یک جیسے گھر کی کایا ہی پلٹ گئی۔

مختار نے بڑی بڑی کمپنیوں میں ملازمت کے لیے درخواستیں دے رکھی تھیں۔ یکا یک ایک بڑی کمپنی نے اسے انٹرویو کے لیے بلایا۔ ماں باپ کی دعاؤں کے سائے میں وہ انٹرویو دینے گیا اور پھر تو گویا قسمت اس پر مہربان ہو گئی۔ اس کے اندازے سے بھی

کہیں زیادہ تنخواہ مقرر کر دی گئی۔ ابا جی سے مشورہ کیا کہ اس نے پرانی کمپنی سے استعفا دے دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کمپنی نے اس کو خاص سہولیات بھی دے ڈالیں۔

وہ جب بھی دفتر سے آ کر ابا جی سے کمپنی کے معاملات کا تذکرہ کرتا تو ابا جی کے بوڑھے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھ جاتے۔

بڑے بھائی افتخار کو جب اس کی شان دار ملازمت کا علم ہوا تو وہ بھی بیوی کے ساتھ والدین سے ملنے اور بھائی کو مبارک باد دینے کے بہانے لاہور چلا آیا۔

اس نے چھوٹے بھائی سے کہا: ''حیرانی مجھے اس بات پر ہے کہ تم کو اس فرم نے کیسے رکھ لیا، حال آں کہ میں نے بھی کئی دفعہ وہاں درخواست بھیجی ہے۔'' افتخار نے کریدا۔

''افتخار بھائی! مجھے بھی اپنی صلاحیت پر پورا بھروسا نہیں تھا، مگر اس کے پیچھے ایک گہرا راز ہے۔'' مختار نے کہا۔

سب کے کان کھڑے ہو گئے، کیوں کہ اب مختار کی تنخواہ بھی افتخار سے دگنی تھی اور اگلے مہینے اسے ایک شان دار گاڑی بھی ملنے والی تھی۔

''افتخار بھائی! اگلے مہینے مجھے ان شاء اللہ گاڑی بھی مل رہی ہے۔ اس میں سب سے پہلے میرے ابا جی اور اماں جان بیٹھیں گے۔'' مختار نے انکساری سے کہا۔ ابا جی اور اماں جان مسکرانے لگے۔

افتخار نے کہا: ''مگر یہ تو بتاؤ تم نے کس کی سفارش لگوائی کہ اس کمپنی میں تمھاری نوکری لگ گئی۔''

''میں نے ابھی تو بتایا تھا افتخار بھائی! کہ یہ ایک گہرا راز ہے۔''

اب کی دفعہ شائستہ نے بے چینی سے پہلو بدلا اور کہا: ''مختار بھائی! اب اس راز سے پردہ ہٹا ہی دیں۔''

''دراصل جس دن سے میرے ابا جی اور اماں جان اس گھر میں آئے ہیں، اس دن سے ان کی دعاؤں نے ہماری تقدیر بدل ڈالی۔ ہم ان کی ذرا سی خدمت کرتے تو جواب میں دعاؤں کے ڈھیروں انمول موتی ہمارے دامن میں آ گرتے، ہم ان کے پیر دباتے، ان کے سر میں مالش کرتے، ان کے کپڑے دھوتے، انھیں ان کی پسند کا کھانا کھلاتے۔ جواب میں ہمارے گھر میں رحمت کے بادل چھا گئے۔ معاشی پریشانیاں دم توڑ گئیں۔ بیماریاں رخصت ہو گئیں اور ہمارے دامن دعاؤں کے قیمتی موتیوں سے بھر گئے۔ ہمیں نہیں پتا تھا کہ ان کا وجود ہمارے لیے اس قدر مبارک ہوگا۔'' مختار نے پُر تشکر لہجے میں کہا اور ابا جی کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔

ابا جی اپنے بوڑھے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اُٹھا کر ایک دفعہ پھر دعا دینے لگے۔ وقت جیسے تھم گیا تھا اور روشنی ہی روشنی ہر طرف پھیل گئی۔ ☆

سردی لگنے سے انسان کپکپاتا کیوں ہے؟

جب ہمیں سردی لگتی ہے تو ہمارا دماغ، اس سردی سے بچانے کے لیے ہمارے اعصاب کو کپکپانے کے لیے تیار کرتا ہے۔ کپکپاہٹ دراصل اعصاب کے سکڑنے اور پھیلنے کا نام ہے، جس سے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کپکپاہٹ سے انسان خود کو گرم محسوس کرتا ہے۔ ☆

ہنڈکلیا

قیمہ بھرے آلو **مرسلہ : ایس۔ ایم ذیشان شیرازی، ملتان**

قیمہ : ایک کلو　　آلو (بڑے) : ڈیڑھ کلو　　بیسن : کھانے کے چھ چمچے

پیاز : ایک عدد　　گھی : ایک پاؤ　　نمک مرچ : حسب ذائقہ

ترکیب : آلوؤں کو چھیل لیں۔ اب تیز چاقو سے آلوؤں کو اندر سے اس طرح کھوکھلا کر لیں کہ آلوؤں کی دیواریں موٹی رہیں۔ اب پیاز سرخ کریں۔ جب پیاز سرخ ہو جائے تو اس میں نمک مرچ ڈال کر قیمہ اچھی طرح بھونیں۔ اب قیمے میں پانی ڈالیں جب خشک ہو جائے تو قیمہ بھون کر اتار لیں۔ اب کھوکھلے آلوؤں میں یہ بھر دیں اور آلو کا منھ بیسن سے بند کر دیں۔ بیسن صرف آلو کے منھ پر لگانا ہے، تاکہ قیمہ باہر نہ نکل سکے۔ اب تلا حدہ کڑاہی میں گھی گرم کریں اور آلو ڈال کر تلیں، جب آلو سرخ ہو جائیں تو اتار لیں۔

لبنانی کباب **مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن، کراچی**

قیمہ : آدھا کلو　　اُبلے آلو : دو عدد　　پیاز (درمیانی) : دو عدد

اُبلی ہوئی میکرونی : ایک کپ　　بڑے ٹماٹر : دو عدد کٹے ہوئے

اُبلے مٹر : تین سے چار کپ　　سبز مرچیں : چھ سے آٹھ عدد

پھینٹے ہوئے انڈے : دو عدد　　ڈبل روٹی کا چورا : ایک کپ

ادرک : ایک کھانے کا چمچہ　　لہسن : ایک کھانے کا چمچہ

تیل : تلنے کے لیے　　نمک : حسب ذائقہ

ترکیب : دھیمی آنچ پر قیمے میں ادرک، لہسن، ٹماٹر اور نمک ملا کر پکائیں۔ جب سارا پانی خشک ہو جائے تو اسے ٹھنڈا ہونے دیں۔ آلو، پیاز، مٹر، میکرونی اور مرچیں ملا کر یکجا کر لیں۔ ہاتھ سے لمبوترے کباب بنا لیں۔ کبابوں میں پھینٹا ہوا انڈا لگائیں اور ڈبل روٹی کے چورے میں لپیٹ کر کے تیل میں تل لیں۔ مزے دار کباب تیار۔ ☆

رکھے (مسعود احمد برکاتی)، سونے کی تتلیاں (ام عادل)، ذہن زادے کا تحفہ (سید وجاہت علی)، کایا پلٹ (خلیل جبار) بہت زبردست تھیں۔ چٹکی بات اور جاگو جگاؤ بھی لاجواب تھے۔ سرورق بھی عمدہ ہی تھا۔ حافظ نور الدین، کراچی۔

● اگست کا شمارہ زبردست رہا۔ سرورق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے دن کی عکاسی کر رہا تھا۔ تحریروں میں نفرتوں سے بالاتر پاکستان (نسرین شاہین)، سچائی اور سچی (شیخ صدیقی)، کایا پلٹ (خلیل جبار)، سونے کی تتلیاں (ام عادل)، انوکھی ترکیب (جاوید بسام)، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے (مسعود احمد برکاتی)، ذہن زادے کا تحفہ (سید وجاہت علی)، ادیب راہبر (اسعد نقیم)، بلا عنوان کہانی (عبدالرشید فاروقی) زبردست تھیں۔ نظموں میں بچے کی دعا (انیس حسین حیدر)، اجالا پرچم (شاہد حسین)، پرچم (ضیاء الحسن ضیا) زبردست تھیں۔ محمد معصم علی خان، کراچی۔

● اگست کے شمارے کا سرورق یوم آزادی کے حوالے سے بہترین تھا۔ جاگو جگاؤ سے لے کر انعامی کہانی تک ہر تحریر اپنی مثال آپ تھی۔ علم در بچے، چٹکی بات، روشن خیالات بھی بہت اچھے تھے۔ کہانیوں میں انوکھی ترکیب (جاوید بسام)، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے (مسعود احمد برکاتی)، ذہن زادے کا تحفہ (سید وجاہت علی) بہترین کہانیاں تھیں۔ ہنسی گھر نے تو ہنسنے پر مجبور کر دیا۔ فیضان احمد خان، میر پور خاص۔

● جاگو جگاؤ سچی اور سچی تحریر تھی۔ پڑھ کر دل میں اترتا چلا گیا۔ روشن خیالات نے دل کا اندھیرا دور کر دیا۔ تحریریں سب ہی بہت خوب صورت تھیں۔ انوکھی ترکیب (جاوید بسام)، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے (مسعود احمد برکاتی) بہت خوب صورت تحریریں تھیں۔ سچائی اور سچی کی تحریر شیخ صدیقی کی تحریر اچھی تھی۔ ذہن زادے کا تحفہ (سید وجاہت علی)، ادیب راہبر، کایا پلٹ، سونے کی تتلیاں سمیت تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ لطیفے بہت بڑی بہت اچھی تھیں۔ بلا عنوان کہانی بہت اچھی لگی۔ انکل! علم بھی بہت ضروری ہے لیکن علم کے ساتھ ساتھ عقل کا بھی استعمال کرنی چاہیے۔ شیبانی محمد رمضان خٹک، نواب شاہ۔

● اگست کے شمارے میں جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک سب کچھ بہترین ہے۔ سب کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک۔ نونہال خبرنامہ اور سب لطیفے بہت ہی اچھے لگے۔ پیارے انکل! آپ نونہال لغت کے بجائے بھی تو ایک صفحہ اور بڑھا دیں۔ انکل! ان الفاظ کے معنی اور فرق بتا دیں۔ مہربانی ہوگی۔ (۱) قرض (۲) فرض۔ [illegible] اب ذہن آزمائی مبارک قبول ہو۔ نونہالوں کے لیے آپ کی سب کوششوں کا شکریہ۔ نونہال اخبار بھیجتے ہیں، غزلیں کیوں نہیں بھیجتے؟ کیا کسی غزل سے قطعہ منتخب کر کے بھیج سکتے ہیں اور کیا پرانے ہمدرد نونہال سے کوئی نظم اپنی پسند کی بھیج سکتے ہیں۔ [illegible]۔

> ایک شمارے میں جتنے مشکل الفاظ ہوتے ہیں ایک صفحے میں آ جاتے ہیں۔ تحریروں میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں انھیں تو ہم خود ہی آسان کر دیتے ہیں۔ قطعہ غزل میں سے اور دونوں پر شعر ہے۔ ہمدرد نونہال میں غزلیں نہیں چھپتیں۔ ہمدرد نونہال سے کوئی پرانی نظم آپ دوبارہ چھپوانا چاہتے ہیں تو صحیح نقل کر کے بھیج دیں۔ دیکھنے کے بعد فیصلہ کریں گے۔ رسالے کی تحریریں پسند کرنے کا شکریہ۔

● اگست کا ہمدرد نونہال کسی خاص شمارے سے کم نہ تھا۔ یہ آپ کی شخصیت کا ہی اعجاز ہے کہ نونہال روز بروز نکھرتا جا رہا ہے۔ ہماری یہی دعا ہے کہ آپ یونہی حکیم محمد سعید کا مشن کامیابی سے پورا کرتے رہیں اور علم کے خزانے لٹاتے رہیں۔ شاہد فرخ، [illegible]، جہلم۔

● اگست کے ہمدرد نونہال کے یوم آزادی کے حوالے سے سرورق پر قائد اعظم اور علامہ اقبال کی تصاویر نے ہمارے دل خوش کر دیے۔ جاگو جگاؤ میں حکیم صاحب کے پیغام سے آگاہ کیا گیا۔ چٹکی بات اور اس مہینے کا خیال ہمارے دلوں کی آواز تھی۔ کہانیوں میں کایا پلٹ، سونے کی تتلیاں اور انوکھی ترکیب، سچائی کا راستہ دکھا رہی تھی۔ نظموں میں

بیوی کا راز اور ہمارا پرچم بہت زبردست تھیں۔ بلاعنوان انعامی کہانی سب پر نمبر لے گئی۔ پرنس راجا محب تحریر، عائشہ ثاقب، محب ثاقب، صدف ثاقب، علینہ فرخ راجا، بابا افتخار راجا، جنید داؤن خان۔

● جون کا شمارہ بہترین اور دل چسپ تھا۔ ساری کہانیاں معیاری تھیں۔ ہنسی گھر کے لطیفے پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ کتنے سال تک کے بچے تصویر کھنچ سکتے ہیں؟ مجاہد الرحمٰن، کراچی۔

پانچ، چھے سال کے کم سن دوست بچے کی تصویر آ جائے گی۔

● اگست کے ہمدرد نونہال کے سرورق نے آزادی کی قدر کرنے اور اپنے راہنماؤں سے محبت کے جذبے کا پیغام دیا۔ کہانیوں میں جن زادے کا تحفہ اور خدا بادشاہ کو سلامت رکھے بہت ہی ولولہ انگیز تھیں۔ نظموں میں بچے کی دعا اور چھتر دل کو موہ لینے والی تھیں۔ بہترین مضامین کی تحریر تھیں سے بلا عنوان پاکستان نے ہماری معلومات میں بے پناہ اضافہ کیا۔ روشن خیالات مضمون بھی بہت شان دار تھا۔ بلاعنوان کہانی بہت ہی مزے دار تھی۔ نونہال ادب میں ہمارا قومی پرچم اور کتاب کی اہمیت اور دو پیل تھیں۔ رانا فرخ حیات، عظمت حیات، عزت حیات، احسن راجا، ماہ نور راجا، شیبا فرخ راجا، جنید داؤن خان۔

● اگست کا شمارہ پڑھا، کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ خاص طور پر بلاعنوان کہانی خدا بادشاہ کو سلامت رکھے بہت ہی مزہ آیا۔ عبداللہ، اسلام آباد۔

● اگست کا شمارہ زبردست تھا۔ سرورق بھی اچھا لگا اور اس کے علاوہ کہانیاں بھی تمام دل چسپ اور سبق آموز تھیں۔ اس کے علاوہ نونہال ادب میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ عظیم ڈار، ملتان۔

● سرورق سے لے کر نونہال لغت تک سب چیزیں بہت اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ نے ہمیں ایک بار پھر جگا دیا۔ مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات روشن ایک یادگار بات تھی۔ کہانیوں میں انوکھی ترکیب (جاوید بسام)، عظیم ماں (نعیم سید)، جن زادے کا تحفہ (سید مجاہدت علی)، کا دیا راہبر (اسد نعیم) اور سونے کی کلیاں (ام عادل) بہت مزے دار تھیں۔ ہنسی گھر کے لطیفے بھی اچھے تھے۔ لبنیٰ یٰسین، کراچی۔

● ساری کہانیاں مزے دار تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ اسما یٰسین، کراچی۔

● اگست کا سرورق بے حد پسند آیا۔ جاگو جگاؤ نے دماغ کو جگا دیا۔ اس مہینے کا خیال، روشن خیالات، بیت بازی، معلومات افزائی، نونہال ادب میں تحریریں اچھی تھیں۔ اس بار بلاعنوان کہانی بہت اچھی تھی۔ انوکھی ترکیب، جن زادے کا تحفہ، نظموں سے بلا عنوان پاکستان، کالا پلٹ اور سونے کی کلیاں بھی اچھی تحریریں تھیں۔ خدا بادشاہ کو سلامت رکھے تحریر بہت زبردست تھی۔ شاہ رولی، چارسدہ، سعد اللہ۔

● ہمیشہ کی طرح جاگو جگاؤ میں پہلی بات سے آغاز کیا، پڑھیں۔ شیخ سعدی کی حکایت سچائی اور روشنی سے بہت اچھا سبق ملا۔ بلاعنوان کہانی خدا بادشاہ کو سلامت رکھے، سونے کی کلیاں، جن زادے کا تحفہ، مزے دار تھیں کہ تمام کہانیاں اور لطیفے اس رسالے کی جان ہیں۔ مجموعی طور سے رسالے میں سب کچھ سمو دیا ہے، جیسے دریا کوزے میں بند ہو۔ ماہ نور، کراچی۔

● پیارا ہمدرد نونہال ہر بار کی طرح اس بار بھی اپنی آب و تاب لیے ہوئے تھا۔ سچائی اور روشنی، نظموں سے میرا پاکستان، راہبر، سونے کی کلیاں، عظیم ماں اور بلاعنوان کہانی زبردست تھیں۔ نظموں میں بچے کی دعا، دیدہ ور، زبردست اور بیت بازی اچھی لگیں۔ پیارے بابا حکیم محمد سعید کے لیے ڈھیروں دعائیں، جن کی وجہ سے آج ہم اتنی اچھی تحریریں پڑھ رہے ہیں۔ عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔

● اگست کا شمارہ بہت ہی خوب صورت تھا۔ تقریباً سبھی تحریریں اچھی تھیں۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات، روشن خیالات اچھے سلسلے ہیں۔ اس کے علاوہ نظموں میں بچے کی دعا (انیس فاطمہ سید) اور ہمارا پرچم (شاہد حسین) اچھی لگیں۔ کہانیوں میں بلاعنوان (پیر زادہ شاہد)، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے (مسعود احمد برکاتی) اچھی تھیں۔ محمد فضل انصاری، لاہور۔

● میں ہمدرد نونہال بڑے شوق اور پابندی سے پڑھتی ہوں۔ اگست کے شمارے میں تمام کہانیاں اور تحریریں اچھی اور لاجواب تھیں۔

خاص کر تعلیم ہاں، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے، انوکھی ترکیب اور بلا عنوان کہانی بہت اچھی تھیں۔ دیگر پورا رسالہ لاجواب تھا۔ سیدہ حسین فاطمہ عابدی، جھنڈو والا، اوکاڑہ۔

● میں ہمدرد نونہال چوتھی جماعت سے میٹرک تک پڑھتا رہا۔ اب میں یونی ورسٹی میں سال سوم کا طالب علم ہوں تو میں نے دوبارہ ہمدرد نونہال پڑھنا شروع کیا ہے۔ کہانی جن زادے کا تحفہ بہت اچھی تھی۔ محمد عاصم شیراز چوہان، اچھوت، جھنگ، مسلم۔

● آپ کی محنت سے نونہال زبردست جا رہا ہے۔ تقریباً تمام ہی تحریریں پسند آئیں۔ جن زادے کا تحفہ اور بلا عنوان اچھی کہانیاں تھیں۔ محمد اسامہ عادل خان، کراچی۔

● ہمدرد نونہال میں خدا بادشاہ کو سلامت رکھے، ایک سدا بہار کہانی تھی۔ انوکھی ترکیب میں تو اس دفعہ میاں بلاقی نے کمال ہی کر دیا۔ بلا عنوان کہانی بھی اچھی تھی۔ تعلیمی عید کا دن اور چمر بہت پسند آئیں۔ تعلیم ہاں پڑھ کر ہم نے اس سے بہت کچھ سیکھا۔ لطیفے بھی بہت مزے دار تھے۔ تحسین جاوید، کراچی۔

● اگست کا شمارہ بہت اچھا اور مزے دار تھا۔ ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ اتنا معیاری رسالہ شائع کر رہے ہیں۔ ہنسی گھر اس دفعہ اچھا تھا۔ بشریٰ صابر، کراچی۔

● اگست کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ ساری کہانیاں بہت اچھی اور مزے دار تھیں۔ خدا بادشاہ کو سلامت رکھے، بہت مزے دار تھی۔ دانیہ فرید، کراچی۔

● اس بار کے ہمدرد نونہال میں ساری کہانیاں بہت دل چسپ اور دل کو باغ باغ کرنے والی تھیں۔ نظم ہمارا پرچم بہت اچھی اور حوصلہ بلند کرنے والی نظم ہے۔ عبدالصمد صفوان، کراچی۔

● تمام کہانیوں نے ہمدرد نونہال کو چار چاند لگا دیے۔ کہانیاں انوکھی ترکیب، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے، سونے کی چڑیاں خوب تھیں۔ جن زادے کا تحفہ سمجھ میں نہیں آئی۔ تعلیم ہاں بہت اچھی تھی۔ بشریٰ صفوان، کراچی۔

● اس بار کی کہانیاں بہت دل چسپ تھیں، خاص طور پر انوکھی ترکیب، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے اور تعلیم بھی بہت دل چسپ ہیں۔ تمام نونہالوں کو حکیم محمد سعید کی باتیں یاد رکھنی چاہییں۔ معلومات افزا ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ ضیا صفوان، کراچی۔

● اگست کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ ہر کہانی لاجواب تھی۔ سب سے اچھی کہانی "بلا عنوان کہانی" تھی۔ انکل! میں نے نومبر ۲۰۱۲ء، مارچ ۲۰۱۱ء اور نومبر ۲۰۱۱ء کے شمارے منگوانے ہیں۔ کتنے کا منی آرڈر بھیجیں؟ انکل! کیا میں مسعود احمد برکاتی کو کوئی ناول بھیج سکتی ہوں؟ سیدہ عفیفہ مریم، سکھر۔

> شماروں کے پیسے لکھ کر ۵۰ روپے کا منی آرڈر بھیج دیں۔
> مسعود احمد برکاتی کو ناول بھیج سکتی ہیں۔

● انکل! اس بار کا شمارہ پڑھ کر دل کو بہت خوشی ہوئی۔ کہانیوں میں بہت مزہ آیا۔ ابوذر صفوان، کراچی۔

● اگست کا شمارہ بہت ہی اچھا تھا۔ اس بار کہانیوں میں خدا بادشاہ کو سلامت رکھے اور بلا عنوان کہانی اچھی تھیں۔ دیوار اسیر تحریر پڑھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسامہ بن حمزہ، کراچی۔

● اگست کے شمارے کی کہانیاں بہت لاجواب تھیں۔ پڑھ کر مزہ آ گیا۔ افروشہ یاور، سلیم الدین، حیدرآباد۔

● اگست کا شمارہ بے حد پسند آیا۔ جو کہ بہت ہی اچھی بات ہے۔ مسعود احمد برکاتی کی کہانی خدا بادشاہ کو سلامت رکھے، بے حد پسند آئی۔ اس کے علاوہ انوکھی ترکیب (جاوید بسام)، تعلیم ہاں (حمیرا سعید)، بلا عنوان کہانی (عزیز پیشاور) بے حد پسند آئیں۔ تمام سلسلے اپنی مثال آپ تھے۔ فراز چیمہ، رخسانہ شاہین، مہر محمد احمد، جھنگ، معظم۔

● بلا عنوان کہانی بہت پسند آئی۔ انوکھی ترکیب بھی شان دار تھی۔ انکل! جن زادے کا تحفہ بھی اچھی کہانی تھی۔ نونہال مصور میں روبینہ اعظم کی تصویر اول آنی چاہیے تھی۔ محمد عبداللہ ظفر، حاصل پور۔

● رسالہ بہت شان دار تھا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، خاص طور

دنیا کے نامور ادیبوں کے حالاتِ زندگی پر معلوماتی کتابیں

حسن ذکی کاظمی کے قلم سے

ولیم شیکسپیر انگریزی ادب کے عظیم ڈراما نگار شیکسپیر کے حالاتِ زندگی، جس کے ڈرامے ساری دنیا میں پڑھے جاتے ہیں۔ یہ کتاب اس کے کارناموں سے واقف کرانے میں بہت مددگار ہے۔

شیکسپیر کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل **صفحات** : ۲۴ **قیمت** : ۲۵ روپے

سیموئل ٹیلر کولرج انگریزی کے اس عظیم شاعر نے محنت، شوق اور صلاحیتوں سے خود علم سیکھا اور شعر و ادب کی دنیا میں اپنا اہم مقام بنایا۔ اس کتاب میں اس کے حالاتِ زندگی دیے گئے ہیں۔

کولرج کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل **صفحات** : ۲۴ **قیمت** : ۲۵ روپے

ولیم ورڈز ورتھ ورڈز ورتھ نے انگریزی شاعری کو ایک نیا رخ دیا۔ سانیٹ بھی لکھے اور مضامین بھی۔ اس کتاب میں اس کی زندگی کے حالات اور کارنامے بیان کیے گئے ہیں۔

ولیم ورڈز ورتھ کی تصویر کے ساتھ خوب صورت ٹائٹل **صفحات** : ۲۴ **قیمت** : ۲۵ روپے

برونٹے سسٹرز تین برونٹے بہنوں نے اپنی شاعری اور ناولوں کے ذریعے سے عورتوں کے حقوق اور آزادی کے لیے آواز بلند کی۔ یہ ایک دل چسپ معلوماتی کہانی ہے، جو اس کتاب میں پڑھیے۔

برونٹے بہنوں کی خوب صورت تصویر کے ساتھ رنگین ٹائٹل **صفحات** : ۲۴ **قیمت** : ۲۵ روپے

چارلس ڈکنز عظیم ناول نگار جسے کتابیں پڑھنے کے شوق نے دنیا کے نامور ادیب کا اعلا مقام عطا کیا۔

ٹائٹل پر ڈکنز کی خوب صورت تصویر **صفحات** : ۲۴ **قیمت** : ۲۵ روپے

ٹامس ہارڈی انگریزی کا پہلا ناول نگار جس نے گاؤں کی حقیقی زندگی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔

ہارڈی کی تصویر سے سجا ٹائٹل **صفحات** : ۲۴ **قیمت** : ۲۵ روپے

جوابات معلومات افزا - ۲۲۴

سوالات اگست ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئے تھے

اگست ۲۰۱۴ء میں معلومات افزا-۲۲۴ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۲ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے قرعہ اندازی کے ذریعے سے پندرہ کے بجائے بیس نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو انعامی کتاب بھیجی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ دورِ اسلام میں سب سے پہلے شہید حضرت حارث بن ابی ہالہؓ تھے۔

۲۔ سورج نکلنے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے نمازِ اشراق کہتے ہیں۔

۳۔ روایت بیان کرنے والے کو راوی کہتے ہیں۔

۴۔ ترک عثمانیہ خلافت میں کل ۳۶ خلفا نے حکومت کی۔

۵۔ پاکستان کا قومی ترانہ پہلی بار ۱۳-اگست ۱۹۵۴ء کو ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا۔

۶۔ سردار عبدالرب نشتر پاکستان کے پہلے وزیرِ مواصلات تھے۔

۷۔ سابق وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو ۲۱ جون ۱۹۵۳ء کو پیدا ہوئی تھیں۔

۸۔ اردو کے معروف شاعر آرزو لکھنوی کا اصل نام سید انور حسین تھا۔

۹۔ جب پاکستان میں دن کے بارہ بجتے ہیں تو اٹلی میں صبح کے آٹھ بجے کا وقت ہوتا ہے۔

۱۰۔ ''رباط'' مراکش کا دارالحکومت ہے۔

۱۱۔ سیارہ مشتری نظامِ شمسی کا سب سے بڑا سیارہ ہے۔

۱۲۔ پاکستان کی سپریم کورٹ کو اردو میں عدالتِ عظمیٰ کہا جاتا ہے۔

۱۳۔ خمر عربی میں شراب کو کہتے ہیں۔

۱۴۔ پرنٹنگ پریس سب سے پہلے جرمنی میں گٹن برگ نامی شخص نے قائم کیا تھا۔

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت ہے: ''چور کی داڑھی میں تنکا''

۱۶۔ مشہور شاعر حیدر علی آتش کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

نہ گورِ سکندر، نہ ہے قبرِ دارا — مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے بیس خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: سیدہ مریم محبوب، سید عدنان علی جاوید، اسامہ علی صدیقی، محمد احسان عثمان، اریبہ امجد رندھاوا، محمد آصف انصاری، ہما نور کنول، سید بازل علی اظہر، سید شہظل علی اظہر ☆ لاہور: روحانہ احمد، محمد افضل انصاری، محمد شاذان صابر ☆ پشاور: حنفیہ محمد ☆ حیدرآباد: مرزا اسفار بیگ ☆ میرپور خاص: عائشہ مبک ☆ کمالیہ: فاطمہ حبیب ☆ کوٹلی: ☆ شہریار احمد چغتائی ☆ خوشاب: نعیم اللہ ☆ ملتان: در صبیح صبحی ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل۔

۱۶ درست جوابات دینے والے انعام یافتہ نونہال

☆ کراچی: سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ جویریہ جاوید، علیزہ سہیل، لقمان، مبشر حسین، عفرا سہیل، زہرہ شفیق ☆ لاہور: وہاج عرفان، ☆ پشاور: حانیہ شہزاد ☆ حیدرآباد: مرزا ہادی بیگ ☆ اوکاڑہ: عبدالحسیب عابد ☆ سکرنڈ: صائقین ندیم خانزادہ۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: ناعمہ تحریم، جلال خان، علینا اختر، سید اعظم مسعود، سید زین العابدین، جویریہ مصطفیٰ، زنیرہ خالد، واینا جنید، امینہ ادریس ☆ مجاہد الرحمٰن، بشریٰ حسین، ارحا مختار ☆ راولپنڈی: معز الحسن، شفیق فاطمہ ☆ اسلام آباد: حافظہ مریم فاطمہ ☆ فیصل آباد: زینب ناصر ☆ حیدرآباد: نسرین فاطمہ ☆ دریا خان: عبداللہ شاہ ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحق ☆ تلہ گنگ: بقا طہ امین انصاری ☆ لیہ: ملک فیصل ہارون ☆ اٹک: خیر دعدیل ☆ جہلم: سیماں کوثر۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ **کراچی:** ثمین جاوید خانزادہ، آمنہ ضمیر، سید محمد فیضان، سیدہ اریبہ بتول، محمد شایان اعوان، حیدر علی اظہر، حنفیہ شرف الدین، معاذ اسحاق، اقبال احمد ☆ **لاہور:** عبدالجبار رومی انصاری، زاہد امتیاز ☆ **حیدرآباد:** تسکین شاہ، ملائکہ شاہ، ملک محمد زاہد ☆ **منڈی والیار:** محمد آصف یاسین کھتری، عمران خان کنبار ☆ **دریا خان:** نگار گل ☆ **پشاور:** محمد حمدان ☆ **بورے والا:** لائبہ اجمل ☆ **اٹک:** اسماء عثمان ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** برکت علی کھوسہ ☆ **کشمور:** طارق محمود کھوسو ☆ **بے نظیر آباد:** فروا سعید خانزادہ۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے ذہین نونہال

☆ **کراچی:** فائزہ محمد فاروق، کومل فاطمہ اللہ بخش، عبدالرحمن قیصر، سندس آسیہ ☆ **راولپنڈی:** محمد اسامہ ملک، محمد بن قاسم ☆ **سکھر:** روباب فاطمہ ☆ **بہاول پور:** محمد عبداللہ ظفر ☆ **میرپور خاص:** خنساء اکرم ☆ **پنڈ دادن خان:** سیدہ جبین فاطمہ عابدی ☆ **جہلم:** طوبیٰ احمد صدیقی ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** آصف علی کھوسہ ☆ **کبیر والا:** راؤ عدنان اتفاق۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ **گوجرانوالہ:** حافظ محمد منیب ☆ **اسلام آباد:** عبداللہ ☆ **حیدرآباد:** محمد عدیل رشید ☆ **میر پور خاص:** فیضان احمد خان ☆ **جامشورو:** حافظ مصعب سعید ☆ **پنڈ دادن خان:** پرنس راجا ثاقب محمود جنجوعہ۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ **کراچی:** رضی اللہ خان، معیز الدین قریشی، اریبہ شیخ، عریشہ نوید، آمنہ خان، فاکہہ یمنا صدیقی۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال اگست ۲۰۱۴ء میں جناب پیر نوید شاہ کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد ایک عنوان ''عقل کا امتحان'' کا انتخاب کیا ہے۔ یہ عنوان ہمیں مختلف جگہوں سے تین نونہالوں نے ارسال کیا ہے۔ ان نونہالوں کو انعام کے طور پر ایک کتاب بھیجی جا رہی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ مہوش حسین، ملیر کالونی، کراچی

۲۔ شمسہ نورین، کھاریاں، گجرات

۳۔ لائبہ اجمل، بورے والا، وہاڑی

چند اور اچھے عنوانات

دانا وزیر۔ کام یابی کا راز۔ انوکھی شرط۔ انوکھا امتحان۔ عقل بڑی نعمت۔ عقل بڑی یا علم۔ عقل لازوال خزینہ۔ عقل کی جیت۔ علم بمقابلہ عقل۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: طوبیٰ امین، دانیال صابر، ثمین جاوید بسام، سید شبظل علی اظہر، سید باذل علی اظہر، فاریحہ یحییٰ صدیقی، صدف آسیہ، ثوبیہ علی خان، سیدہ اریبہ بتول، حبشہ عظیم، آمنہ ضمیر، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ جویریہ جاوید، سید عثمان علی جاوید، سید طلحہ، سید محمد حذیفہ، ماہ نور

کنول صدیقی، خلیل الرحمٰن، محمد شاہان اعوان، سید اعظم مسعود، علیبہ اختر، جلال احمد خان، ودود، خالد، ادیبہ شیخ، لبنیٰ جبین، ناعمہ تحریم، کومل فاطمہ، اللہ بخش، اجنہ ادریس، حنفیہ شرف الدین، شفیقہ نمر فاروق، عکاشہ سہیل، شازیہ انصاری، سہیل احمد یوسف زئی، حمیرہ صابر، مہوش حسین، محمد شاہان اسلم خان، مجتبیٰ الرافیہ، مصباح تبسم خان، سید وسم لقا زیدی، ادیبہ انجم رند بلوچ، حسان بن ناصر، معاذ عثمان، عریشہ نوید، حسنات احمد، دانیال عامر علی، عریشہ بنت حبیب الرحمٰن، عائشہ قیصر، محمد احسان عثمان، رضوان ملک، احسن محمد اشرف، محمد اویس، احمد حسین، محمد فہد الرحمٰن، محمد عزیر، طاہر منصور، محمد معین الدین غوری، احمد رضا، محمد ذیشان ریاض، فضل ودود خان، فضل قیوم خان، صائبہ ہشام مصطفیٰ، ثمین جاوید خانزادہ، مصباح شمشاد غوری، رضی اللہ خان، حنا نور الدین، سمیعہ قمر، علیزہ سہیل، اسامہ علی صدیقی، مجاہد الرحمٰن، اقبال احمد ☆ **راولپنڈی:** طلحہ علی اعوان، معز الحسن، شفیق فاطمہ، محمد اسامہ ملک، محمد بن قاسم، خنسا اعجاز، رضوان گھڑار ☆ **نواب شاہ:** ثوبیہ رانی، محمد رمضان مغل، فروا سعید خانزادہ ☆ **ملتان:** محمد ہمایوں طارق، آرمل ریاض ☆ **پشاور:** حانیہ شہزادی، محمد حذیفہ خان، محمد ہاشم، عائشہ محمد ☆ **جہلم:** سید وصائل حسین عابدی، عائشہ ثاقب جنجوعہ ☆ **سکھر:** مہر بن فاطمہ، وانیہ عبدالمتین، سید وسیم ☆ **بھکر:** اعظم طارق، نگار شکیل ☆ **کبیر والا:** راؤ محمد عدنان اشفاق ☆ **چکوال:** سجاد احمد، محمد ثاقب ☆ **میر پور خاص:** دیبا کنزیٰ، ادم برکاتی، فیروز احمد، فیضان احمد خان ☆ **اٹک:** اسماء عثمان، بی بی سارہ، شعیب محمد عباس، ہشام حیدر ☆ **حب:** بختاور اظہر ☆ **بیلا:** طوبیٰ احمد صدیقی ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** برکت علی کھوسہ، آصف علی کھوسہ، عمران خان کنبار ☆ **حیدر آباد:** مرزا اسفار بیگ، مرزا ہادی بیگ، وجیہہ خلیل احمد، شہر بانو، ملائکہ خان، حیدر علی شاد، محمد عدیل رشید، آفاق اللہ خان، افرشہ باذ ☆ **جامشورو:** مصعب سعید ☆ **اسلام آباد:** سید محمد موسیٰ، مریم فاطمہ، عبداللہ ☆ **فیصل آباد:** زینب ناصر ☆ **لاہور:** محمد افضل انصاری، محمد شاذمان صابر،

وہاج عرفان، عبدالجبار رومی انصاری، فاطمہ ولی خان، زاہد امتیاز، روحانہ احمد ☆ دریا خان: عبداللہ شاہ، محمد اسامہ صدیقی چوہان راجپوت ☆ بہاول پور: مبشرہ حسین ☆ میلسی: شاہ رود ل محمد حسین ☆ شیخو پورہ: محمد احسان الحسن ☆ اوکاڑہ: عبدالحسیب عابد ☆ کوٹلی: محمد جواد چغتائی ☆ وہاڑی: لائبہ اجمل ☆ شہداد پور: عبداللہ ایان شیخ ☆ چشتیاں: یحییٰ خان نیازی ☆ جھنگ: عمر عثمان حیدری ☆ لیہ: ملک فیصل ہارون ☆ کھاریاں: شمسہ نورین ☆ گوجرانوالہ: حافظ محمد طیب ☆ کشمور: طارق محمود کھوسو ☆ سکرنڈ: حسنین ندیم خانزادہ ☆ سانگھڑ: رمشا اعجاز احمد بھٹی ☆ کمالیہ: محمد عبداللہ ☆ خوشاب: حرا سعید شاہ ☆ نوشہرو فیروز: بہادر علی گدانی بلوچ۔ ☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپی؟

اس لیے کہ تحریر: ◆ دل چسپ نہیں تھی۔ ◆ بامقصد نہیں تھی۔ ◆ طویل تھی۔ ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی۔ ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی۔ ◆ پنسل سے لکھی تھی۔ ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی۔ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی۔ ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔ ◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی۔ ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی۔ ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔ ◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں۔ ◆ نصابی کتاب سے نقل کی تھی۔ ◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفے، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحے پر لکھے تھے۔

تحریر چھپوانے والے نونہال یاد رکھیں کہ

◆ ہر تحریر کے نیچے نام پتا صاف صاف لکھا ہو۔ ◆ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہرگز نہ لکھیے۔ ◆ تحریر بھیجنے سے پہلے یہ نہ پوچھیں کہ "کیا یہ چھپ جائے گی؟" ◆ مختصر صاف لکھی ہوئی تحریر کی باری جلد آتی ہے۔ ◆ نظم کسی بڑے سے اصلاح کرا کے بھیجیے۔ ◆ نونہال مصور کے لیے تصویر کم از کم پانچ انچ کے سفید سادے کاغذ پر گہرے رنگوں میں بنی ہو۔ ◆ تصویر کے اوپر نام نہ لکھیے بلکہ تصویر کے پیچھے لکھیے۔ ◆ تصویر خانہ کے لیے بھیجی گئی تصویریں جب ماہرین مسترد کر دیتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ واپس منگوانا چاہتے ہوں تو ٹکٹ کے ساتھ جوابی لفافہ ساتھ بھیجیے۔ ◆ تصویر کے پیچھے بچے کا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ بیت بازی کا ہر شعر الگ کاغذ پر ٹھیک ٹھیک لکھ کر شاعر کا صحیح نام ضرور لکھیے۔ ◆ ہنسی گھر کے لیے ہر لطیفہ الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ لطیفے گھسے پٹے نہ ہوں۔ ◆ روشن خیالات کے لیے ہر قول الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ قول بہت مشکل نہ ہو۔ ◆ نظم و نثر کے لیے جہاں سے بھی کوئی ٹکڑا لیا ہو، اس کا حوالہ اور مصنف کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ تحریر کسی خاص مذہب، طبقے یا ملکی قانون کے خلاف نہ ہو۔ ◆ طنزیہ اور مزاحیہ مضمون شائستہ ہو، کسی کا مذاق اڑانے یا دل دکھانے والا نہ ہو۔ ◆ نونہال یا امتحان کی کاپی نہ بھیجیں۔ ◆ تحریر کی نقل اپنے پاس رکھیے تاکہ چھپنے کے بعد ملا کر دیکھیں کہ تحریر میں کیا کیا تبدیلی کی گئی ہے۔ ◆ اشاعت سے معذرت میں صرف کہانیوں اور مضامین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ◆ باقی چھوٹی چھوٹی تحریریں ناقابلِ اشاعت ہونے پر ضائع کر دی جاتی ہیں۔ ◆ تحریر، تصویر وغیرہ ارسال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خط بھیجنے کا ہے۔ ◆ کوپن اور کسی بھی تحریر پر صرف ایک نام لکھیے۔ ◆ اچھی تحریر لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

نونہال لغت

مَقدُور	مَ قْ دُ ر	قدرت۔ طاقت۔ قوت۔ دسترس۔ اختیار۔ رسائی۔ پہنچ۔ جرأت۔ دلیری۔
نمایاں	نُ مَا یَا ں	ظاہر۔ نکھرا ہوا۔ اجاگر۔
تعزیت	تَ عْ زِ یَت	ماتم پرسی۔ مرنے والے کے پسماندگان سے اظہارِ ہمدردی۔ پرسا۔
چسکا	چَ سْ کا	وہ مزہ جس کی زبان عادی ہو۔ چاٹ۔ مزہ۔ عادت۔ لت۔
بارانِ رحمت	با را نے رَ حْ مَت	پانی۔ بارش۔
بنجر	بَ نْ جَ ر	وہ زمین جس میں کچھ پیدا نہ ہو۔ ناقابلِ کاشت زمین۔
مصلحت	مَ صْ لَ حَ ت	نیک صلاح۔ اچھا مشورہ۔ مناسب تجویز۔ حکمت۔ پالیسی۔
گردشِ دوراں	گَرْ دِشے دَو راں	بدقسمتی۔ پریشانی۔
طواف	طَ وَ ا ف	کسی چیز کے گرد پھیرنا۔ چکر لگانا۔ گردش۔
روانی	رَ وَ ا نی	بہاؤ۔ تیزی۔ چلنا۔ جانا۔
لافانی	لا فا نی	جس کو فنا نہ ہو۔ ہمیشہ رہنے والا۔
دیدہ ور	دی دَ ہ وَ ر	دانا۔ صاحبِ نظر۔ تیز نظر۔ ہوشیار۔
تناور	تَ نا وَ ر	موٹا۔ فربہ۔ مضبوط۔ طاقت ور۔
بارگاہ	با رْ گا ہ	اجلاس کی جگہ۔ دربار۔ کچہری۔ عدالت۔ شاہی محل۔
منفرد	مُ نْ فَ رِ د	اکیلا۔ تنہا۔ یکتا۔ یگانہ۔ واحد۔
اُسلوب	اُ سْ لُو ب	طریقہ۔ طرز۔ ڈھنگ۔ وضع۔ انداز۔
ناگہانی	نا گَ ہا نی	اتفاقی۔ اچانک۔